عطار ہو، رومی ہو، رازی ہو، غزالی ہو
کچھ ہاتھ نہیں آتا بے آہ سحر گاہی !!

اِدارۂ اشرفیہ عزیزیہ کا ترجمان

ماہنامہ غزالی

محرم الحرام ۱۴۳۱ھ / جنوری ۲۰۱۰ء

RegNo.P476

جلد:ہشتم

شمارہ:5

فہرست

فی شمارہ: 15/- روپے

سالانہ بدل اشتراک: 180/- روپے

ملنے کا پتہ: پوسٹ آفس بکس نمبر1015، یونیورسٹی کیمپس، پشاور۔

ای-میل: physiologist72@yahoo.com

<<< mahanama_ghazali@yahoo.com

saqipak99@gmail.com

ویب سائٹ: www.iaa.org.pk

ذِکرِ الٰہی (نویں قسط)

(حضرت مولانا اشرف صاحب سلیمانیؒ)

مراتبِ ذکر:

گذر چکا کہ یادِ قلبی، اصل ذکر ہے، اور رفتہ رفتہ وہ اپنی وسعت میں پوری زندگی کو گھیر لیتی ہے۔ 'حقیقتِ ذکر' کی 'سچی یافت و تحقیق' اور اس کے زندگی کے ریشے ریشے (اقبال مرحوم کا شعر ہے: آدمی کے ریشے ریشے میں سما جاتا ہے عشق۔ جیسے شاخِ گل میں ہو بادِ سحر گاہی کا نم) میں سرایت کر جانے کے لئے ایک مدت چاہیئے،

؎ اک عمر چاہیئے کہ گوارا ہو نیشِ عشق رکھی ہے آج لذتِ درد جگر کہاں

'بدایتِ ذکر' (ذکر کی ابتداء) اور 'نہایتِ ذکر' (ذکر کی انتہا) کے درمیان بے شمار مدارج و مراتب ہیں۔

؎ اے برادر بے نہایت در گہیست آنکہ بروے می رسی بروے مائیست

ترجمہ: اے بھائی بہت ہی زیادہ منزلیں ہیں جس پر تو پہنچا وہی منزل نہیں۔

آسانی و قربِ فہم کے لئے ذاکرین کی عموماً تین درجوں میں تقسیم کر دی جاتی ہے۔

۱۔ مبتدی ۲۔ متوسط ۳۔ منتہی

ورنہ ہر درجہ اپنے اندر 'مدارج' رکھتا ہے۔ خصوصاً منتہی تو 'متعارف وصول' کے بعد بھی ذکر کے لامتناہی منازل میں سیر کرتا رہتا ہے،

؎ ہر لحظہ شانِ حسن بدلتی رہی جگر ہر آن اک جہانِ دگر دیکھتے رہے

؎ نگردد قطع ہرگز جادۂ عشق از دویدنہا
که مے بالد بخود ایں راہ چوں تاک از بریدنہا

ترجمہ: عشق کا راستہ دوڑنے سے نہیں کٹتا جیسے کاٹنے سے انگور کی بیل اور بڑھ جاتی ہے یہ بھی بڑھ جاتا ہے۔

مبتدی کے لئے 'اسم' کی یاد و تکرار ہی 'ذکر' ہے۔ متوسط عموماً قلبی دھیان سے الفاظِ ذکر اور اس کے

معانی کی طرف متوجہ رہتا ہے۔ منتہی ذات بحت (اللہ تعالیٰ) میں ایک 'خاص لطافت' کے ساتھ قلباً مشغول رہتا ہے جس کا ادراک بھی ''چون و چگون'' اور 'گفتنی حدود' سے وراء الورا ہے۔ کہ اصل تنزیہہ محض ہے۔ حضرت سیّدی الشیخ نور اللہ مرقدہ کا شعر ہے۔

؎ آتے ہو تصور میں بھر بھر کے نئے روپ
ان سب سے سوا سمجھیں تم کو تو یہ ایمان ہے

عارف رومیؒ نے خوب کہا ہے۔

؎ اے بروں از وہم و قال و قیل من خاک بر فرقِ من و تمثیل من

ترجمہ: اے وہ ہستی جو میرے وہم اور میری زبانی تشریح سے باہر ہے۔ میرے سر اور میری مثالوں پر خاک پڑے کہ وہ کب تیری تشری کر سکتے ہیں۔

شیخِ شیرازؒ نے کیا عارفانہ بات کہی ہے۔

؎ اے برتر از خیال و قیاس و گمان و وہم وز ہر چہ گفتہ اند و شنیدیم و خواندہ ایم

ترجمہ: اے وہ ہستی جو میرے خیال، قیاس، گمان اور وہم سب سے اوپر ہے بلکہ جو کچھ ہم نے کہا، سنا اور پڑھا اس سے بھی اوپر ہے۔

خسروؒ کہتے ہیں:

؎ اے باز کن درِ معانی بر ما بکلید آسمانی
ہر چہ از تو گمان برم بچونی آن من بوم و تو زآں برونی

ترجمہ: یا الٰہی مجھ پر آسمانی چابی کے ذریعے معانی کے دروازے کھول۔ ہر وہ گمان جس میں میں سوچتا ہوں کہ تو ایسا ہوگا وہ میرا خیال ہی ہوتا ہے تو اس سے باہر ہے۔

حقیقت یہی ہے کہ وہ ذاتِ بے ہمتا ہر کیف و تصور سے بالا ہے۔ بقول سیّدی رحمہ اللہ تعالیٰ:

؎ ادب سے دیکھ لیں مشتاق دور سے ان کو مجال ہے جو انھیں کوئی ہمکنار کرے

اب 'منتہی حضرات' کے دھیان و توجہ حق کے متعلق یہی کہا جائے گا کہ یہ 'وجدانی و ذوقی' کیفیت ہے۔ اور ذوقی کیفیات کا قلم متحمل بھی نہیں ہو سکتا۔ اور بقول شیخ الکل مرشد تھانوی نور اللہ مرقدہٗ

''امورِ وجدانیہ وجدان سے ہی سمجھ میں آتے ہیں۔ اور وجدان محض سننے (یا پڑھنے) سے پیدا نہیں

ہوتا۔اسی لئے کسی نے کہا ہے

پرسید یکے کہ عاشقی چیست گفتم چوں ماشوی بدانی

ترجمہ:کسی نے پوچھا کہ عاشقی کیا ہے؟میں نے کہا جب میری طرح ہو جاؤ گے جان لو گے۔

حضرت والا ذکر میں اصل توجہ مذکور کی طرف قرار دیتے ہیں۔

یہ نہ ہو تو ذکر میں (انتشارِ ذہنی دور کرنے کے لئے) 'ذاکر' یعنی 'قلب' کی طرف اور یہ بھی نہ ہو تو ذکر کی طرف متوجہ ہونے کی تلقین فرماتے تھے۔ایک مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں۔

"ذات کی طرف توجہ اصل ہے۔اگر اس حالت میں معانی والفاظ کا استحضار نہ رہے تو کوئی ہرج نہیں۔اصل توجہ مذکور کی طرف ہونی چاہئے۔یہ نہ ہو تو ذکر کی طرف"۔

ایک دوسرے گرامی نامہ میں مزید وضاحت فرماتے ہیں۔

"ذکر سے اصل مقصود تو مذکور یعنی 'اللہ' کا استحضار ہے۔یہ نہ ہو تو ذاکر یعنی قلب کا، یہ بھی نہ ہو تو ذکر کا"۔

ایک اور طالب کو تحریر فرماتے ہیں۔

"نور کے تصور کا استحضار نہیں ہوتا تو کوئی حرج نہیں، یہ مقصود خود نہیں، مقصود تو یکسوئی ہے۔توجہ ذکر کے وقت دراصل مذکور یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف ہو، ورنہ ذاکر یعنی قلب کی طرف ہو، ورنہ ذکر کی طرف"۔

ایک مسترشد نے اپنی حالت کا ذکر کرتے ہوئے لکھا:"ذکر کے وقت اکثر حضور حاصل نہیں ہوتا۔اس لئے بعض مرتبہ گمان ہوتا ہے کہ اس طرح زبان سے اللہ اللہ کہے جانے سے کیا حاصل ہے۔۔۔لیکن جب کبھی صبح کسی وجہ سے ذکر ناغہ ہو جاتا ہے تو اس وقت تک چین نہیں آتا جب تک ذکر پورا نہ کر لیا جائے۔۔۔اس کا رنج ہے کہ ذکر میں جو استغراق پیدا ہونا چاہئے بالکل حاصل نہیں (ملخصاً)

حضرت الشیخ قدس سرہٗ نے جواب باصواب رقم فرمایا:

"ابھی تک آپ کی سمجھ میں ذکر کی حقیقت نہیں آئی، اس سے مقصود محبت الٰہی کی ترقی ہے۔"استغراق" اور "حضور" دو (الگ الگ) چیزیں ہیں۔"استغراق" تو اس کا نام ہے کہ انسان کا شعور باطل ہو جائے بوجہ شدت انہماک کے تو یہ مطلوب وممدوح نہیں، البتہ "حضور" مطلوب وممدوح ہے۔وہ اس کا نام ہے کہ فی الجملہ ذکر میں مذکور یعنی اللہ تعالیٰ کا استحضار ہو یا قلب کی طرف توجہ ہو یا خود ذکر کی طرف دھیان ہو۔ان

میں جو بات جس وقت اور جتنی حاصل ہو جائے وہ شکر کے قابل ہے۔ کیونکہ وہ عطائے الٰہی ہے۔ اختیاری نہیں‘‘ (تذکرہ سلیمان صفحہ ۴۲۹)

ان ہی نے ایک دوسرے عریضہ میں بعض صورتوں میں لفظ ’اللہ‘ کے الف کی ادائیگی میں دقت اور بعض دیگر مشکلات کا تذکرہ کیا۔

حضرت والا رحمۃ اللہ نے جواباً تحریر فرمایا:

’’آپ ان مشکلات اور دقتوں کی پروا نہ کیجئے۔ نہ ذکر کے اندر ان الفاظ پر دھیان دیجئے۔ آپ مذکور یعنی اللہ تعالیٰ کا تصور کریں، بشکل نور، خواہ قلب میں ’’اللہ‘‘ کا نورانی تصور۔ تلفظ اپنی کوشش بھر صحیح ہو، پھر جو کچھ ادا ہوتا ہے وہ صحیح ہے‘‘۔ (تذکرہ صفحہ ۴۳۷)

مسترشد موصوف نے استفسار کیا۔ ’’حق تعالیٰ کی ذات تو وراء الورا ہے پھر ذکر کے وقت ذات کا تصور کس طرح کیا جائے‘‘۔ حضرت والاؒ نے ارقام فرمایا: ’’تصور ذات کا نہیں ہوتا صفات کا ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے اسمائے حسنیٰ کا تصور کیجئے۔ نورانیت کا تصور بھی اس کی صفت ہی کا تصور ہے‘‘۔

اگر کسی سالک کو یہ کیفیت میسر آجائے کہ زبان و دل کے اشتراک کے ساتھ متوجہ بحق ہو کر ذکر کر سکے تو نور علیٰ نور ہے۔ کہ اس طرح جملہ ’افرادِ ذکر‘، ذکرِ لسانی، توجہِ قلبی اور استحضارِ ربّانی مجتمع ہو جائیں گے۔

مراد یہ ہے کہ زبان الفاظِ ذکر معانی کے استحضار کے ساتھ اس طرح ادا کرے کہ جس وقت لفظِ ذکر زبان سے ادا ہو، اسی وقت ’’زبان و قلب کا اشتراک و یکجائی‘‘ ایسی ہو، کہ وہی لفظ دل سے بھی سن رہا ہو۔ اور ادائیگی کے وقت دھیان ذاتِ الٰہی کی طرف ہو۔ ایک ہی وقت میں ان مختلف باتوں کا ’’اجتماع‘‘ ایک مثال سے سمجھ میں آسکتا ہے۔ استاد کی فرمائش پر جب کوئی متعلم قرآن کریم کا ترجمہ الفاظ کی ادائیگی کے ساتھ سنا رہا ہو تو ایک ہی وقت میں اسے چند باتوں کا خیال ہوتا ہے۔ معلم کی موجودگی اور اس کی رویت و سماعت کا استحضار، تلفظ کا صحیح ادا کرنا اور معنیٰ کی طرف دھیان کہ ترجمہ میں غلطی نہ ہو جائے، اس کے علاوہ یہ بھی ذہن میں ہوتا ہے کہ اگر قرآت و ترجمہ درست ہوا، تو استاد خوش ہو کر انعام سے نوازے گا، اور غلطی ہو جانے پر استاد کی ناراضگی اور سزا کا ڈر ہوتا ہے۔ اسی طرح اگر سالک قربت و معیت اور رویت و سماعتِ رحمانی کے استحضار، اجابت و قبولیتِ الٰہی کے یقین و اذعان اور رضاء و عطائے ربانی کی طلب و امید میں محبت و شوق میں ڈوب کر اللہ تبارک و تعالیٰ کا حق اور فریضہِ عبدیت سمجھ کر رغبتہً و رہبتہً، ایماناً و احتساباً ذکر لسانی قلب کے اشتراک و دھیان کے

ساتھ کرتا رہے گا۔تو یقیناً اللہ تعالیٰ اس ذکر کی برکات سے اس کے سینہ وقلب کو پُر انوار اور اس کے اعضاء و جوارح کو اپنے احکام کا تابع و منقاد بنا دے گا، آخرت میں انعامات و رضوانِ الٰہیہ کا حصول تو یقیناً ہو کر رہے گا کہ مقصود اصل وہی ہے۔اس دنیا میں بھی اللہ چاہے تو عطائے ربّانی کا نظارہ اپنے اندر کالعین مشاہد ہو جائے گا۔توحیدِ خالص، اتباعِ نبوّتِ عظمیٰ، عبدیت و عبودیتِ کاملہ، مقاماتِ عالیہ، اخلاقِ فاضلہ، حیاتِ طیبہ، استقامت علی الحق، فراستِ ایمانی، بصیرتِ قلبی، عقائدِ دینیہ کی حلاوت و یقین اور اعمالِ صالحہ کے ساتھ دلی و طبعی مناسبت و محبت و خشیت وغیرہا، انعاماتِ الٰہیہ کی ایسی دولت نصیب ہوگی جس کے سامنے ہفت اقلیم کی سلطنت گرد کی حیثیت نہیں رکھتی۔انہیں باطنی انعامات سے مالا مال ایک مردِ درویش (سیّدنا حضرت عبدالقادر جیلانی نوّر اللہ مرقدہٗ) نے اپنی کیفیتِ باطنی کا ایک ہلکا سا نقشہ پیش کرتے ہوئے کہا تھا۔

؎ چوں چترِ سنجری رخِ بختم سیاہ باد　　در دل بود اگر ہوس ملکِ سنجری
زانگہ کہ یافتم خبر از ملکِ نیم شب　　من ملکِ نیم روز بیک جو نمنِ خرم

ترجمہ: سنجر بادشاہ کی سیاہ چھتری کی طرح میرا چہرہ سیاہ ہو جائے اگر میرے دل میں سنجر بادشاہ کی مملکت کی کوئی خواہش ہو۔جب سے مجھے آدھی رات کی مملکت کی خبر ملی ہے میں نیمروز کے ملک کو ایک جَو کے بدلے بھی نہیں خریدتا۔

اس کے علاوہ حکمتِ الٰہیہ نے اگر مناسب سمجھا تو علوم و معارفِ احسانیہ، دقائقِ تشریعیہ، حقائقِ کونیّہ کا قلب پر ایسا ورود والقا ہوگا جس کے متعلق حضرت عارف رومیؔ نے کہا ہے:

؎ بینی اندر خود علومِ انبیا　　بے کتاب و بے معید و اوستا

ترجمہ: اپنے اندر تم بغیر کتابوں کے پڑھے اور بغیر استاد کے علوم نبوی دیکھو گے۔

حضرت والا نوّر اللہ مرقدہٗ ایک طالب کو انہی انعاماتِ الٰہیہ کے متعلق تحریر فرماتے ہیں۔

''جو کچھ اللہ تعالیٰ سے ملا اس کا شکر ادا کیا جائے اور جو اب تک نہیں ملا اللہ تعالیٰ سے امید رکھنی چاہیئے کہ وہ مناسب موقع پر اپنے فضل و کرم سے عطا فرمائیں گے۔۔۔جس قدر حضور بھی نصیب، وہ شکر کے قابل ہے۔۔۔یہ علوم و اسرار کتاب و سنت کے مطابق ہوں تو بہتر ہیں اور اگر مطابق نہیں تو قابلِ رد ہیں''۔

ان ہی کو ایک دوسرے خط میں لکھتے ہیں:

''دائم حضوری بھی انشاء اللہ حاصل ہوگی، لیکن اس وقت بھی جو کچھ حاصل ہو جاتی ہے، شکریہ کے

قابل ہے۔شکریہ سے نعمت کی زیادتی ہوتی ہے“۔

ایک اور طالب کو ہدایت فرماتے ہیں:

ان (ثمرات) کی طرف زیادہ توجہ کی ضرورت نہیں، اور نہ اس کے لئے تشویشِ خاطر کی ضرورت ہے۔ ہر چیز اپنے وقت پر حسبِ استعداد اللہ تعالیٰ عطا فرمائیں گے

ے آہی جائے گا کبھی ساقی ان تک بھی دورِ جام
منتظر بیٹھا ہوا جو بھی تیری محفل میں ہے (سید صاحب)

ایک اصول نہایت اہم سمجھ لیجئے۔ اُمورِ اختیاریہ میں بندہ کمی نہ کرے اور غیر اختیاریہ کے درپے نہ ہو، تمنا ہو، تو صاحبِ تمنا کے سامنے پیش کیجئے۔

ے سنا تو دے اسے افسانہ غم ہجراں وہ اعتبار کرے یا نہ اعتبار کرے (سید صاحب)

وہ جو چاہیں گے اور جب چاہیں گے دیں گے۔

ے انھیں کے دینے سے ملتا ہے جس کو ملتا ہے
وہی نہ چاہیں تو کوشش کوئی ہزار کرے (سید صاحب)

اور اگر مدت تک بھی نہ ملے تو اس کے لئے تشویش نہ کیجئے کہ

ع ”خواجہ خود روش بندہ پروری داند“

ترجمہ: مالک بندے کو نوازنے کا طریقہ خود جانتا ہے۔

☆☆☆☆☆☆☆

اطلاع

آئندہ ماہانہ اجتماع انشاء اللہ! ۲۰ فروری بروز ہفتہ پشاور میں منعقد ہوگا۔ بیان عشاء کے بعد ہوگا۔ عشاء کی نماز ۷:۳۰ پر ہوگی۔

سارا سال خانقاہ میں اصلاحی مجالس اور قیام وطعام کا بندوبست رہتا ہے۔ ساتھی اس سے فائدہ اُٹھائیں۔ اپنا بستر ہ ساتھ لائیں۔

بیان (۳۰۔۱۱۔۲۰۰۸) (آخری قسط)

(ڈاکٹر فدا محمد دامت برکاتہٗ)

مسلمان تو دنیا کے کام میں بھی جاتا ہے تو اللہ کی رضا کے لئے۔ یقین اور نیت یہ ہو کہ سب کچھ اللہ تعالیٰ عطا کرتا ہے وہی پالتا ہے اور اعمال صالحہ کی برکت سے عطا فرماتا ہے مگر اعمالِ صالحہ پر ان کی نیت نہیں ہونی چاہئے کہ آدمی اعمالِ صالحہ دنیا درست ہونے کے لئے، برکت آنے کیلئے، حالات سنورنے کے لئے، دنیا کی چیزوں کے ملنے کیلئے کرے۔ یقین تو یہ ہو کہ اللہ تعالیٰ پالے گا، نیک اعمال پر پالے گا، اللہ تعالیٰ برکت دے گا تو نیک اعمال کی وجہ سے، رحمت ملے گی تو تقویٰ سے ملے گی، اعزاز ملے گا تو تواضع اور عاجزی سے ملے گا لیکن عمل کو اس نیت سے کرے کہ یہ ملیں تو یہ ہوا شرک۔ عمل تو ہم خالصۃً اللہ کی رضا کیلئے کررہے ہیں اگرچہ ان ساری باتوں کا ہونا بھی اس پر ہی ہے یہ ہمیں پورا یقین ہے مگر عمل ہم ان چیزوں کے حاصل کرنے کیلئے قطعاً نہیں کررہے ہیں ہم تو اللہ کی رضا کیلئے کررہے ہیں یہ چیزیں ملیں ملیں، نہ ملیں نہ ملیں۔ ہمارے ایک ساتھی نے کہا کہ بس عمل کرکے اللہ پر چھوڑ دینا چاہئے کیونکہ حدیث شریف میں ہے کہ آدمی نیک عمل کرتے کرتے جنت سے ایک بالشت رہ جاتا ہے پھر کوئی ایسا خراب عمل کرتا ہے کہ دوزخ میں جا گرتا ہے اور عمل کرتے کرتے جہنم سے ایک بالشت رہ جاتا اور کوئی نیک عمل کرتا ہے اور جنت میں داخل ہو جاتا ہے میں نے ان سے کہا کہ اس حدیث پر علماء نے بحث کی ہوئی ہے یہ حدیث کوئی اندھیر نگری نہیں ہے کہ ساری عمر نیکی میں گزاری اور آخر میں اٹھا کر اسے جہنم میں پھینک دیا۔ علماء نے بحث کی ہے کہ اصل میں وہ پہلے اعمال جو اس سے نیکی کی شکل میں ہورہے تھے وہ صورتاً نیکی تھے حقیقتاً نیکی نہیں تھے اور جس سے خراب اعمال وہو رہے تھے صورتاً خراب نظر آرہے تھے حقیقت اس کی کچھ اور تھی۔ پھر میں نے ان کو کہانی سنائی کہ ہمارے بڑے حضرتؒ زندہ تھے ان کی خانقاہ میں ہم جمعہ جمعہ کو جایا کرتے تھے اس زمانے میں چھٹی جمعہ کی ہوتی تھی تو سیکریٹریٹ کے بڑے بڑے افسر صاحبان آتے تھے ان کو پتہ چلا ہوا تھا کہ آدمی صاحبِ دعا ہیں، دعا ان کی قبول ہوتی ہے۔ ان کے ایک خلیفہ ان سب کی پٹائی کیا کرتے تھے۔ جب مجلس ختم ہوتی اور لوگ سلام کیلئے آتے وہ کہتے یہ ڈی سی صاحب ہیں تو تھپڑ مار کر ادھر گرا دیتے کہ اس کی ایسی تیسی، دوسرا آتا یہ فلاں صاحب ہے اس کی پٹائی کرتے، ایک ایک پٹنے کیلئے آگے ہوتا تھا۔ ان مجذوب صاحب نے

جس جس کی پٹائی کی ہے ان کی پھر بڑی ترقیاں ہوئی ہیں۔ ایک دفعہ واپسی پر میں ایک دو بڑے افسران کے ساتھ گاڑی میں بیٹھ کر آرہا تھا۔ انہوں نے اپنی کچھ کارگزاری ایک دوسرے کو سنانی شروع کی ایک نے کہا کہ وہ فلانا جو ریٹائر ہوا ہے ناڈی آئی جی تو وہ ایک اجرتی قاتل کے بارے میں بتارہا تھا کہ تمہیں پتا ہے وہ اجرتی قاتل کیسے بنا ہے؟ اس نے کہا کہ کہ پولیس والوں نے اس کے سامنے اس کے گھر کی عورتوں کی بے عزتی کی تو اس نے دل میں کہا اب میں تمہیں ایک ایک کو دیکھ لوں گا خیر انہوں نے جو دو تین کارگزاریاں سنائیں تو میں نے دل میں کہا کہ ان کے ساتھ تو سفر نہیں کرنا چاہئے اب اگر میں ان سے کہتا ہوں کہ میں آپ کے ساتھ نہیں جانا چاہتا تو خفا ہوتے ہیں اور چھلانگ لگا نہیں سکتا ان کے ساتھ تو بیٹھنا ہی نہیں چاہئے کہ ایسی گھناؤنی زندگی گزارے ہوئے ہیں۔ تو خیر ایسی بات نہیں ہوتی اللہ کے ہاں اندھیر نگری نہیں ہے کہ آدمی نیک اعمال کر رہا ہو اور اسے جہنم میں ڈال دیا جائے بلکہ وہ اعمال صورتاً نیکی نظر آ رہے تھے حقیقتاً نیکی نہیں تھے اور آخر میں اللہ تعالیٰ ان کا بھرم کھول دیتا ہے۔ ہمارا جو مکان تعمیر ہو رہا ہے اس کے چوکیدار کو کسی نے قتل کر دیا۔ میں نے جب یہ پلاٹ خریدا تو پہلے آدمی نے اس کو کرایہ دار رکھا ہوا تھا۔ اس نے آ کر حالات بیان کئے، اس کے گھر کے میں نے حالات دیکھے انتہائی تنگ دستی کے حالات، کافی سارے بچے چھوٹے چھوٹے محتاجی پریشانی، آدمی پورا باشرع، پگڑی باندھی ہوئی۔ میں نے کہا کہ ہماری طرف سے آپ بغیر کرائے کے رہیں، بجلی کا بل دے دیا کریں، گیس کا بل دے دیا کریں۔ کسی نے قتل کر دیا اس کو۔ خیر بجلی کے میٹروں کے اتنے ہزار جرمانہ مجھ پر، سوئی گیس کے میٹر کا جرمانہ مجھ پر اور یہ وہ پیسے تھے جو اس کو دیئے ہوئے تھے زکوٰۃ کی مد سے۔ میں نے سوچا اگر اپنے ہاتھ سے ادا کرتا ہوں تو زکوٰۃ کا مسئلہ ہے۔ اگر میں کہوں کہ میں نے اس کے میٹر کا بل ادا کر دیا ہے تو زکوٰۃ ادا نہ ہوئی۔ لہٰذا اس کے ہاتھ میں دیئے وہ بھی اُس نے ادا نہیں کئے۔ زندگی بھی اس کی ایسی گھپلے والی۔ پھر کسی نے بتایا کہ صرف اتنا گھپلا نہیں تھا بلکہ دم تعویز کی شکل میں عورتوں کی بے حرمتی بھی اس سے ہوتی تھی۔ میں نے کہا کہ اتنے معمولی پیسوں پر آٹھ دس ہزار پر، بیس تیس ہزار روپوں کیلئے کوئی قتل پر تیار نہیں ہوتا جب تک کہ آدمی کا دل بہت سخت نہ دکھا ہوا ہو اور جب تک اس کی عقلِ سلیم اس بات کو جائز قرار نہ دے کہ اب تیرے لئے اس کی زندگی کا خاتمہ جائز ہے۔

دراصل بنیاد یہی ہوتی ہے کہ ہم سوچتے ہیں کہ غلط صحیح راستے سے پیسہ حاصل نہیں کروں گا تو میرا

وقت کیسے گزرے گا میرا کام کیسے بنے گا؟ حدیث شریف میں آتا ہے کہ کسی آدمی پر فاقہ آئے اور تین دن فاقہ برداشت کرے تین دن کے فاقے سے آدمی کی موت نہیں ہوتی پانی تو مل جاتا ہے پینے کیلئے۔ آدمی سات دن تک فاقہ کرسکتا ہے اور ڈی ہائیڈریشن (پانی کی کمی) کا وقت مقرر نہیں ہے اس کا لیول مقرر ہے۔ لیکن ایک آدمی ایک دن، دو دن، تین دن اس کے بغیر بھی گزارا کرلیتا ہے کہ تین دن آدمی فاقہ کرلے اور کسی کو بتائے نہیں اللہ تبارک وتعالیٰ اس کے لئے ایک سال کی حلال روزی کا بندوبست فرماتا ہے۔ **وما من دآبة فی الارض الا علی اللّٰہ رزقها** ،کوئی زمین پر چلتا ہوا چوپایہ ایسا نہیں ہے جس کی روزی اللہ کے ذمہ نہ ہو کہ اللہ کہتا ہے میرے ذمہ ہے۔ اللہ کے اوپر لازم ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کو روزی دے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے اوپر لازم کیا ہوا ہے کہ روزی میں نے دینی ہے۔ **ویعلم مستقرها مستودعها**۔ یعنی اُس کی قیام گاہ کا بھی اللہ تعالیٰ نے بندوبست کرنا ہے۔ ہاں یہ علیحدہ بات ہے کہ جس معیار کو آپ نے بنادیا وہ تو پانچ لاکھ میں بھی نہیں ہورہا، پچاس لاکھ میں بھی نہیں ہورہا، پانچ کروڑ میں بھی نہیں ہورہا، مکان بن ہی نہیں رہا۔ تو بہ آج میں ایک فاتحہ کیلئے گیا تو اس خاندان کا غم سے جو حال ہورہا تھا دیکھ کر آدمی کا دل دکھتا تھا اور معیارِ زندگی کو دیکھ کر آدمی کو حیرت ہورہی تھی۔ یہ معیارِ زندگی ان چیزوں سے بچا تو نہیں سکتا۔ سارا خوشی کا سامان پڑا ہوا ہے لیکن خوشی نہیں ہے، حالات ایسے اللہ لایا ہوا ہے کہ غم ہی غم ہے۔ ہر طرف خوشیاں بکھری پڑی ہیں، مکان کے فرش کو دیکھیں تو وہ خوش کرنے والا ہے، دیواروں کو دیکھیں تو وہ خوش کرنے والی ہیں، چھت کو دیکھیں تو اس کے نقش ونگار خوش کرنے والے ہیں لیکن خوشی نام کی چیز نہیں ہے۔ لباس، کھانا پینا، سواریاں ساری کی ساری چیزیں ہیں، راحت اور خوشی دلانے کے پورے کے پورے خزانے پڑے ہوئے ہیں لیکن راحت اور خوشی نہیں ہے۔ اللہ نے نہیں دی ہے، وہ تو ہے معنوی چیز، مادی چیز تو ہے نہیں۔ خوشی راحت تو روحانی چیز ہے، مادی نہیں ہے کہ پیسوں سے خریدی جاسکے، بازار سے لائی جاسکے۔ وہ تو معنوی چیز ہے۔ اللہ تعالیٰ سب چیزوں کے بغیر دینا چاہے اس کو کوئی روک نہیں سکتا اور سب چیزوں کے ساتھ نہ دینا چاہے تو کوئی دلا نہیں سکتا۔ یہ تو فیصلہ اس کا ہے۔ ہماری زندگی بنا کر دکھائے خواہ مال دے کر بنائے یا اس کے بغیر، عہدے جائیدادیں دے کر یا بغیر۔ ایوب خان جب صدر ہوتے تھے۔ اس کے مقابلے میں الیکشن میں فاطمہ جناح کھڑی ہوگئی بڑی پریشانی اس کو ہوئی، اِدھر ہاتھ پیر مار رہا ہے، اُدھر

ہاتھ پیر مار رہا ہے کسی جگہ سے نہیں ہورہا ہے۔اس کو کسی نے بتایا کہ اس وقت صاحبِ دعا آدمی جو ہے وہ فلاں علاقے کے جو پہاڑ ہیں اس میں ہوتا ہے۔وہاں تک گیا یہ بیچارہ ڈنڈے کھائے اس نے باقاعدہ، بے عزت کیا، ڈنڈے مارے اس کو اور ڈنڈے مارنے کے بعد کہا دفع کرو۔ہو گیا اس کا پھر اس کو مل گیا جی۔یہ حال کہ ایک بے سروسامان آدمی کے پاس جا کر ڈنڈے کھانے کیلئے صاحبِ حکومت پہنچ رہا ہے اور وہاں پر تیار ہورہا ہے کہ ڈنڈے کھائے تو اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس لئے ان جھوٹے معیاروں کو کبھی اپنے لئے بنیاد نہ بنائے، جھوٹے معیار کبھی ان کو بنیاد نہ بنائے۔سلیمان بن عبدالملک بادشاہ مسلمانوں کا اس کی موت ہورہی ہے ایک چچازاد بھائی ہے عمر بن عبدالعزیزؒ۔۔۔ایک اس کا اپنا بھائی ہے تو وہ اس بات کی کوشش کررہے ہیں کہ خلیفہ کیلئے ہمارا نام لکھے نامزدگی میں اور عمر بن عبدالعزیزؒ اس کوشش میں ہے کہ میرا نام نہ لکھے جب وفات کے بعد خط کو کھولا گیا تو اس میں لکھا ہوا تھا، اس نے اپنے علماء سے مشورہ کیا کہ مجھ سے اتنے ظلم ہوئے ہیں اپنی زندگی میں اتنی کوتاہیاں ہوئی ہے اتنے ظلم ہوئے ہیں کہ میری خلاصی کا اور اللہ کے ہاں مغفرت کا سامان کیا ہوگا؟ مجھے کوئی ایسا طریقہ بتائیں کہ اب جاتے جاتے میں اللہ کی پکڑ سے، گرفت سے اور عذاب سے بچ سکوں۔تو اس کو اس زمانے کے علماء اور مشائخ نے مشورہ دیا کہ اگر آپ اپنے بعد عمر بن عبدالعزیزؒ کو خلیفہ نامزد کردیں جو آپ کا چچازاد بھائی ہے تو آپ کی مغفرت کی اللہ کی ذات سے امید ہے۔اس نے نامزد کردیا جب ان کو پتا چلا تو انہوں نے کہا **انا للّٰہ و انا الیہ راجعون** گویا بہت بڑا حادثہ ہوگیا، بہت بڑی موت ہوگئی کہ آپ کو نام نامزد کردیا کہ مجھے کیا دلچسپی ہے۔تو ان کو خواب میں زیارت ہوئی حضورؐ کی اور حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت عمرِ فاروقؓ کھڑے ہیں اور ان سے کہا آپ ان کی طرح حکومت کریں۔اب یہ صرف حکومت کا عام لوگوں کے ہاتھوں سے ملنا نہیں ہے۔یہ تو اوپر سے امر ہوگیا ہے۔انہوں نے کہا اسلامی نظام میں ایک آدمی دوسرے کو نامزد کردے اور وہ جا کر تخت پر بیٹھ جائے اور لوگوں پر حکومت کرنے لگے یہ تو جائز ہی نہیں ہے۔بیعتِ خصوصی، بیعتِ عمومی کرنی ہوتی ہے۔بیعتِ خصوصی اس کو کہتے ہیں کہ خواص، اہلِ علم، اہلِ تقویٰ، دین ودنیا کے لحاظ سے بڑے ہوں ان پر پیش کیا جاتا ہے وہ کہتے ہیں ہاں ہم مان رہے ان کو۔پھر ہر صوبہ، ہر ضلع کے امیروں سے کہا جاتا ہے کہ ان کیلئے بیعت لیں، عوام میں۔جب انہوں نے اعلان کیا تو دیکھا کہ عوام بیعت کیلئے نہیں آرہے اور نہیں تیار ہورہے ہیں تو

پیغام بھیجا کہ اکثریت آپ کی بیعت نہیں کرنا چاہتے لہٰذا آپ دستبردار ہوجائیں تاکہ دوسرے آدمی کو آگے لایا جائے۔اوراگراکثریت نے بیعت کرلی تو یہ خلافت علیٰ منہاج النبوت نافذ ہوگئی یعنی انبیاء علیہ السلام کے طرز پر جو خلافت ہوتی ہے وہ نافذ ہوگئی۔ چنانچہ عمر بن عبدالعزیزؒ نے اعلان کیا کہ اے لوگوں مجھے پہلے آدمی نے خلیفہ بنادیا ہے لیکن میرا یہ اعلان ہے کہ میں اس چیز کو لینے کیلئے قطعاً تیار نہیں ہوں جب تک کہ لوگ اس کی بیعت کی شرطوں کو پورا نہیں کریں گے۔لوگوں نے جوق درجوق ہجوم کرکے اس بات کا اعلان کیا کہ ہم آپ کی خلافت کیلئے بیعت کرنا چاہتے ہیں تب وہ خلیفہ بنے۔ پھر ڈھائی سال ایسی مشقت میں گزارے ہیں کہ گھر کی کچی دیوار گرنے پر خود اس دیوار کو کیچڑ بنا کر بنایا۔گھر والی کے سارے زیورات بیت المال میں داخل کئے، بنوامیہ سے ساری ظلم کی جائیدادیں واپس کرکے مستحق لوگوں میں تقسیم کیں، سارے گھوڑے ان کے ضبط کئے، ساری چیزوں کو درست کر کے سب چیزوں کو ٹھیک کرکے چھوڑا ہے۔پہلی صدی کے مجدد حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ ہیں۔بنوامیہ جمعہ کے خطبے میں اپنے خلفاء کا ذکر کرتے ہوئے حضرت علیؓ کے خلاف بھی کلمات کہتے تھے۔ان کلمات کو ہٹا کر حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے **ان اللہ یا مر بالعدل و الاحسان و ایتاء ذی القربا و ینھا عن الفحشاء والمنکر والبغی** کا اضافہ فرمایا۔جوکہ آج تک پڑھتے ہیں۔۳۹ سال کی عمر میں وفات ہوئی ہے اوراس میں کوئی ۲۵ سال کی عمر تک تو کوئی پڑھنے پڑھانے، سیکھنے، تعلیم وتربیت میں لگے ہیں۔۳۹ سے ڈھائی نکالیں تو رہ گئے ساڑھے چھتیس۔اس میں ساڑھے گیارہ سال گورنر رہے ہیں مختلف صوبوں کے، مدینہ منورہ کے بھی گورنر رہے ہیں اور ڈھائی سال خلیفۂ راشد رہے ہیں۔ان کے دور میں جب یہ خلیفہ تھے تو مدینہ منورہ کے گورنر نے بڑا سوچا کہ خلیفہ کو خوش کرتے ہیں۔ ہرایک کی کوئی خاص چاہت ہوتی ہے اس کو پورا کرکے لوگ اپنے نمبر بڑھاتے ہیں اورترقی کرتے ہیں۔اس نے بڑا غوروفکر کیا کہ ان کو کیا دیں؟ اس نے کہا جی حضور ﷺ کے روضہ شریف میں تین قبریں بنی ہوئی ہیں چوتھی قبر کی جگہ ہے تو میں چاہتا ہوں کہ چوتھی قبر اس میں آپ کی بنائی جائے۔اُن کو اندازہ ہوا کہ یہ تو بڑا ناسمجھ ہے کہ اس کو اتنا پتا نہیں ہے کہ اس کے بارے میں تو روایت آئی ہوئی ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام جب تشریف لائیں گے، یہاں وقت گزاریں گے اور وقت گزارنے کے بعد ان کی وفات ہوگی تو اس خالی جگہ اُن کی قبر بنے گی۔تو مطلب ہے کہ بعد کے گورنر بھی وقت کے خلیفہ کو اس

چیز کو رشوت میں پیش کریں گے۔ لہٰذا اس جگہ کو مکمل چار دیواری کر کے بند کر دیا جائے تا کہ قبر تک کسی کی رسائی ہی نہ ہو تو جالیوں کے اندر جو چار دیواری ہے وہ مکمل بند ہے۔ لہٰذا دوسری صدی ہجری کے بعد قبر شریف کسی نے نہیں دیکھی ہے وہ مکمل بند کر دی گئی ہے بلکہ اس کے بعد تو اس کے اندر کوئی گیا ہی نہیں۔ اُس تقویٰ کے دور میں ڈھائی سال سے زیادہ ان کو برداشت نہیں کیا گیا۔ اس لئے فقراء اس بات کی خاص طور سے ہدایت کیا کرتے ہیں اپنے مریدین کو کہ دنیا اور دنیا کی چیزوں کے پیچھے نہ پڑا کریں، سوائے حلال روزی کمانے کیلئے جو کچھ مزدوری کرنا پڑ رہی ہو۔ باقی اللہ تعالیٰ کے آسرے پر چھوڑ دیا کریں، کسی چیز کی طلب میں نہ پڑا کریں کہ یہ ملے ہی ملے۔ اللہ تعالیٰ سے حفاظت، رحمت، برکت مانگتے رہا کریں، یہ نہیں کہ جان، وقت ہمارا لگ رہا ہو، مصیبتیں ہم اٹھا رہے ہوں اور کام دوسروں کے بن رہے ہوں تو ایسے عہدوں کا فائدہ ہی کیا؟ اس لئے اللہ والے اللہ سے عافیت، راحت، خیر، برکت مانگتے رہتے ہیں، عہدہ، کرسی نہیں مانگتے۔ ہمارے حضرت مولانا صاحبؒ ایک پروفیسر کا لطیفہ بیان کرتے تھے کہ کبھی کبھی میرے پاس آتے تھے تو کہتے مولانا صاحب دعا کرو کہ تین بیز (Three Bees) مل جائیں۔ میں سمجھا کہ شاید شہد کی مکھیوں کا کہہ رہا ہے۔ میں نے پوچھا تین شہد کی مکھیوں کا کیا کرو گے؟ تو اُس نے کہا مولانا صاحب تین بیز یعنی (B.B.B) ایک بی سے بیوک (Buke) موٹر، دوسرے بی سے بنگلہ اور تیسرا بی کیا ہے وہ ہے بے پردہ بیگم۔ اللہ کی شان کہ ۵۵ سال کی عمر تک شادی نہیں ہو سکی تھی۔ بیز کے پیچھے بھٹکتے بھٹکتے ۵۰ سال گزر گئے۔ ایک دن حیات آباد میں نظر آئے تو دور سے میرے پیچھے آئے کہ دعا کرو بیٹا امریکہ جا رہا ہے تعلیم کے لئے۔ میں نے کہا سبحان اللہ! ۔ تو اب کوئی آپ سے کہے کہ بیوک موٹر دیتے ہیں ساتھ حادثے کے، سر پھوٹنے اور ہڈیاں ٹوٹنے کے ساتھ، اس کے لئے تیار ہیں۔ تو سب کہیں گے توبہ استغفار، ہماری جان بخشی کرو۔ انسان اپنی ناسمجھی کی وجہ سے اپنے لئے مصیبتیں، خطرات، پریشانیاں مانگ رہا ہوتا ہے اور اس کو پتہ بھی نہیں ہوتا۔ اللہ پاک راحتیں، رحمتیں، عافیتیں دینا چاہتا ہے اور ہمیں سمجھ نہیں آ رہی ہوتی۔ ہم کہتے ہیں کہ جو ہم مانگ رہے ہیں وہ ملنا چاہیئے، جو ہم سوال کر رہے ہیں ویسا ہی ہونا چاہیئے۔ میرے بھائی اللہ سے رحمت، عافیت کیوں نہیں مانگتے جو معنوی دولتیں ہیں، جو اصلی خزانے ہیں اللہ کے۔ سارے مال و دولت، دنیا کی مادی چیزوں کا آخری نتیجہ یہ ہے کہ آدمی اپنے احوال کو درست کرنا چاہتا ہے۔

اور احوال کا درست ہونا تو اللہ تعالیٰ نے ان چیزوں کے ساتھ وابستہ ہی نہیں کیا، اپنے ہاتھ میں رکھا ہے۔ چاہیں تو ان کے ساتھ حالات کو درست نہ کریں اور چاہیں تو ان کے بغیر حالات کو درست کر دیں۔ کوئی جبر کوئی زور نہیں کر سکتا۔ لہٰذا انسان کا تو یقین یہ ہو کہ سارے حالات کا درست کرنے والا اللہ تعالیٰ ہے اور یہ اعمال کے نتیجے میں درست ہوتے ہیں۔ لیکن اعمال کو حالات کے درست کرنے کی نیت سے نہیں کرنا چاہئے۔ وہ تو فقط اللہ تبارک وتعالیٰ کی محبت کے تقاضے سے کرے اور اللہ کی رضا کی نیت سے کرے۔ شیخ الحدیث حضرت مولانا زکریاؒ نے فضائل رمضان میں لکھا ہے بدن کا روزہ، آنکھ کا روزہ، کان کا روزہ، دل کا روزہ، روح کا روزہ اور پھر سرِّ خاص کا روزہ۔ روح کا روزہ لکھا ہے کہ اعمالِ صالحہ کے بدلے میں جو جنت کی نعمتیں ملتی ہیں اس کا دھیان اور نیت بھی نہ کرے۔ اگرچہ ان کی نیت کرنا جائز ہے لیکن اخلاص کا کمزور درجہ ہے۔ بندے کی نیت تو خالص اللہ کی خوشنودی اور رضا ہو۔ اور سر خاص کا روزہ یہ ہے کہ انسان غیر اللہ کے وجود کا ہی قائل نہ ہو۔ اللہ کا غیر تو اپنی ذات سے وجود ہی نہیں رکھتا وہ تو اللہ کے امر سے قائم ہے، اللہ تعالیٰ اپنا امر ہٹا لے تو اس کا وجود ہی نہ رہے۔ اور جب اُس کا وجود ہی نہیں تو تاثیر کیا ہوگی، تاثیر تو پھر دوسرے درجے میں ہے۔ ہم جو **لا الٰہ الا اللّٰہ** کا ذکر کرتے ہیں اور ضربیں لگاتے ہیں تو ہر ضرب کے ساتھ قلب میں یہ دھیان لانا اور جمانا ہوتا ہے کہ نہ اللہ کے غیر کا وجود ہے نہ تاثیر ہے۔ اگر وجود ہے تو امر الٰہی سے ہے، اگر تاثیر ہے تو امرِ الٰہی سے ہے۔ ہمارے سارے کاموں کا بننا، بگڑنا یہ تو اللہ تعالیٰ کی خوشنودی اور رضا میں ہے۔ اس لئے ہم اپنے آپ کو دنیا کی چیزوں کے لئے خوار کر کے، جھوٹ فریب میں مبتلا ہو کے، گندگیوں میں مبتلا ہو کے اور اعمال ضائع کر کے کیوں اپنے آپ کو پریشان کریں اور اپنی آخرت کو کیوں برباد کریں جب کہ ان چیزوں پر کامیابی کا دارومدار ہی نہیں۔ اس کے لئے اعمال کو درست کرنا چاہئے اور اعمال اُس کے درست ہوتے ہیں جس کی توحید پکی ہوتی ہے۔ اور توحید تب پکی ہوتی ہے جب غیر اللہ کا دھیان، اس کی تاثیر، اس کا خوف، اس کا رعب اور تاثر انسان کے قلب سے نکلے اور آہستہ آہستہ، اللہ اللہ کرتے ہوئے، دھیان جماتے ہوئے، غور وفکر کرتے ہوئے باطن میں اس بات کو جمانا ہے۔ یہاں تک کہ کرتے کرتے پکی ہو جائے، جم جائے، کھب جائے اور بیٹھ جائے۔ اللہ تعالیٰ عمل کی توفیق عطا فرمائے۔ امین۔

جب تم اکیلے ہو گے کبھی ہم یاد آئیں گے

(مولوی مشتاق احمد صاحب، ڈھوڈیال)

اُستاذی حضرت مولانا مفتی غلام مصطفیٰ صاحب میرے والد صاحب کے عزیز دوست اور رفیقِ کار (Collaegue) تھے۔ میرے ہائی سکول شنکیاری میں نہم اور دہم جماعت کے استاد تھے۔ بعد میں جب میں اسی ہائی سکول میں مدرس (Teacher) ہو گیا تو میں بھی حضرت مفتی صاحب مدظلہٗ کا رفیقِ کار ہو گیا۔ زمانۂ طالب علمی سے لے کر اب تک مفتی صاحب سے میرا تعلق رہا جو اب بھی برقرار ہے۔

جناب مولانا مفتی غلام مصطفیٰ صاحب جامعہ اشرفیہ کے فارغ التحصیل ہیں، فقہ میں اچھی مہارت ہے، فتویٰ دیتے ہوئے شامی کی عبارتیں زبانی یاد ہوتی ہیں۔ مولانا غلام غوث ہزارویؒ کے خادم رہے ہیں۔ ایک دن میں نے مجاہدِ ختمِ نبوت مولانا غلام غوث ہزاروی رحمۃ اللہ علیہ کا تذکرہ چھیڑا تو مفتی صاحب نے فرمایا کہ "حضرت مولانا غلام غوث ہزاروی رحمۃ اللہ علیہ نے مجھے جامعہ اشرفیہ میں داخل کروایا تھا اور اس کے علاوہ جامع مدینہ کے ایک کمرے کچھ عرصہ اکٹھے بھی رہے ہیں۔

حضرت مفتی صاحب نے فرمایا کہ مدرسے سے فارغ ہونے کے بعد میں سول سیکریٹریٹ لاہور میں خطیب ہو گیا۔ سول سیکریٹریٹ مغربی پاکستان لاہور میں ان دنوں ایک بہت بزرگ شخصیت اکاؤنٹنٹ جنرل مغربی پاکستان کے عہدہ پر فائز تھے۔ اس شخصیت کا نام حاجی سرفراز خان صاحب تھا۔ حاجی سرفراز خان صاحب علاقہ بیروٹ ہزارہ کے رہنے والے تھے۔ کسی بزرگ کے تعلق والے تھے اور اتوار کو ان کے گھر پر مجلس بھی ہوتی تھی۔ حضرت مفتی صاحب نے بتایا کہ حاجی سرفراز خان صاحب کے ساتھ میرا تعلق تھا، انہوں نے ایک دن مجھے بتایا کہ میں صوبہ سرحد میں comptroller شمالی علاقہ جات کی پوسٹ پر تھا۔ آج کل اس پوسٹ کو اکاؤنٹنٹ جنرل (A.G) کہتے ہیں۔ مجھے پتہ چلا کہ آرمی میں ہزارے کا ایک میجر ہے اس کا نام ایوب خان ہے اور انگریز جرنیل نے اس کی فائل پر سرخ نشان لگا کر اس کو مزید ترقی کے لئے غیر موزوں قرار دے دیا ہے۔ حاجی سرفراز خان صاحب نے بتایا کہ میں نے اس انگریز جرنیل، صوبہ سرحد کے اُس وقت کے وزراء اور اعلیٰ افسران کی دعوت کی اور اس دعوت میں ایوب خان کو بھی بلایا۔ اس دعوت سے انگریز جرنیل کو یہ تاثر ملا کہ ایوب خان افسروں اور سیاسی لوگوں میں اچھے خاصے تعلق اور مقبولیت والا آدمی ہے۔ لہٰذا دو ہفتے بعد

اس نے ایوب خان کی فائل منگوا کر اُس کو میجر سے لیفٹیننٹ کرنل کے عہدے پر ترقی دے دی۔ حاجی سرفراز خان صاحب نے مزید بتایا کہ جہاں اب پشاور یونیورسٹی ہے یہ جگہ جنگل ہوتی تھی۔ میں اور ایوب خان صبح سویرے گھوڑے دوڑاتے ہوئے یہاں تک جاتے تھے۔ الغرض ساری عمر ایوب خان حاجی سرفراز خان صاحب کا بڑا قدردان اور معتقد تھا۔

حضرت مفتی صاحب نے اس کے بعد ہزاروی صاحبؒ کے بارے میں بتایا کہ مجھے پتہ چلا کہ حضرت مولانا غلام غوث ہزارویؒ کو حکومت نے نظر بند کیا ہوا ہے۔ میں ہزاروی صاحبؒ سے ملنے جہاں وہ نظر بند تھے وہاں گیا اور عرض کیا کہ میں آپ کی دعوت کرنا چاہتا ہوں۔ حضرت مولانا ہزارویؒ نے کہا کہ میں تو گھر سے باہر نہیں جا سکتا۔ یہاں سے باہر جانے کے لئے مجھے .S.S.P سے اجازت لینا پڑتی ہے اور لاہور سے باہر جانے کے لئے ڈی آئی جی سے اجازت لینا پڑتی ہے۔ تم کس طرح میری دعوت کرو گے؟ میں نے کہا کہ میں آپ کو اجازت لے کر اپنے گھر لے جاؤں گا۔ چنانچہ اُس وقت کے ایس ایس پی عبدالرؤف اورکزئی سے اجازت لے کر ہزاروی صاحبؒ کو اپنے گھر لے گیا۔ یہ ہفتے اور اتوار کی درمیانی شب تھی، سردیوں کا موسم تھا۔ میں نے رات کو آپ کے لئے ایک مرغا پکایا۔ جب ہم کھانا کھانے لگے تو حضرت ہزارویؒ نے مرغ کے گوشت کا ایک ٹکڑا لیا۔ میں نے عرض کیا کہ حضرت یہ پورا مرغ میں نے آپ ہی کے لئے پکایا ہے اور لیں۔ تو انہوں نے کمال عاجزی سے فرمایا دومره نه دی خوړل پکار چه ده نعمت نا قدری اوشی (کہ اتنا نہیں کھانا چاہئے کہ نعمت کی ناقدری ہو)۔ اس کے بعد حضرت ہزارویؒ نے فرمایا کہ اس کمرے میں ایک لوٹا پانی رکھ لینا۔ میں نے لوٹا رکھ دیا اور خود جا کر سو گیا۔ رات تقریباً ایک بجے حضرت مولانا ہزارویؒ کے کمرے سے ایسی آوازیں آنے لگیں جیسے کسی کا گلا گھونٹا جا رہا ہو یا کسی پر نزع کی تکلیف ہو۔ چنانچہ میں پریشانی کے عالم میں اٹھا اور دروازے کی روزن سے اندر جھانکا تو کیا دیکھتا ہوں کہ حضرت ہزارویؒ مصلے پر کھڑے ہیں، اُن پر شدید گریہ طاری ہے اور داڑھی آنسوؤں سے تر ہے۔

؎ آدم کا جسم جبکہ عناصر سے مل بنا   کچھ آگ بچ رہی تھی سو عاشق کا دل بنا

مفتی صاحب نے فرمایا کہ میں حضرت ہزارویؒ کو ایک بڑے عالم اور بڑے سیاسی لیڈر کے طور پر جانتا تھا، اس رات پتہ چلا کہ حضرت مولانا ہزارویؒ صاحبِ باطن اور صوفی صافی بھی ہیں۔

اگلی صبح اتوار کا دن تھا میں اور حضرت ہزارویؒ حاجی سرفراز خان صاحب کے گھر گئے اور اُن کی

مجلس میں بیٹھے۔مجلس میں آیتِ کریمہ کا ختم بھی ہوا۔ بعد فراغتِ ختم حضرت مولانا ہزارویؒ نے فرمایا کہ دیو بند سے آنے کے بعد میں نے پہلی دفع یہ ختم پڑھا ہے ایسا ختم تو دیو بند میں ہوتا تھا۔مجلس کے اختتام پر میں نے حاجی سرفراز خان صاحب سے کہا کہ حکومت نے مولانا غلام غوث ہزارویؒ کو لاہور میں نظر بند کیا ہوا ہے۔ انہوں نے بیٹے کو آواز دی کہ ٹیلی فون لاؤ۔اُن کا بیٹا ایک لمبی تار والا ٹیلی فون لایا۔اُنہوں نے ہوم سیکریٹری کا فون ملایا اور کہا کہ آپ نے مولانا ہزارویؒ کو کیوں نظر بند کیا ہوا ہے؟ اُن کو فوراً رہا کریں اگر ان سے پاکستان کو کوئی نقصان پہنچا تو میں ذمہ دار ہوں گا۔اکاؤنٹنٹ جنرل مغربی پاکستان حاجی سرفراز خان صاب کے کہنے پر باوجود اتوار کی چھٹی کے ہوم سیکریٹری نے مولانا ہزارویؒ کی نظر بندی ختم کردی اور اس کی دستی چٹھی حضرت ہزاروی صاحبؒ کو پہنچا دی گئی۔ وفات کے کئی مہینے بعد کسی وجہ سے حاجی سرفراز صاحب کی قبر کھولنا پڑی تو ان کا بدن صحیح سالم پایا گیا۔

مولانا ہزارویؒ نے حاجی سرفراز خان صاحب سے کہا کہ آپ ایوب خان سے میری ملاقات کا بندوبست کریں میں اس کو چند نصیحتیں کرنا چاہتا ہوں جن میں ایک یہ بھی ہے کہ فوج میں قادیانیوں اور رافضیوں کے بڑھتے ہوئے اثر رسوخ سے ہمیں بہت خطرہ ہے اس کا کچھ انتظام کریں تا کہ اسلام اور پاکستان محفوظ رہیں۔ساتھ ہی حضرت ہزارویؒ نے کچھ فوجی افسروں کے نام لئے جو مجھ سے بھول گئے ہیں۔ پھر حضرت ہزارویؒ کی ایوب خان سے ملاقات ہوئی یا نہیں اس کے بارے میں پتہ نہیں چل سکا۔حضرت ہزارویؒ فرماتے تھے کہ مجھے علاقے کے خوانین نے یہاں نظر بند کرایا ہوا ہے تاکہ میں انتخابات میں حصہ نہ لے سکوں ورنہ میرا اور کوئی جرم نہیں۔نظر بندی ختم ہونے کے بعد آپ اپنے علاقے میں تشریف لائے اور ۱۹۶۲ء کے انتخابات میں ہارون خان عرف بادشاہ خان کو ہرایا۔اگلے انتخابات میں بادشاہ خان کے بھائی اور صوبہ سرحد کی مشہور سیاسی شخصیت حنیف خان کو شکست دی اور قومی اسمبلی کے رکن (MNA) منتخب ہوئے۔اسمبلی میں انہوں نے معرکۃ الآراء مذہبی وسیاسی خدمات انجام دیں۔

حضرت مفتی صاحب نے بتایا کہ میری عمر اُس وقت ۲۲ سال سے زیادہ نہیں تھی مگر جب بھی میں حضرت ہزارویؒ سے ملنے جاتا تھا تو باوجود برخوردارانہ تعلق کے کھڑے ہو کر استقبال کرتے اور مذکورہ بالا واقعہ کی وجہ سے ازحد شفقت فرماتے۔اللہ تعالیٰ حضرت مولانا غلام غوث ہزاروی رحمۃ اللہ علیہ کے درجات بلند فرمائے اور مفتی صاحب کو صحت وعافیت عطا فرمائے۔امین!

ملفوظاتِ شیخ (حضرت ڈاکٹر فدا محمد دامت برکاتہم)

(ظہور الٰہی فاروقی صاحب) (قسط نمبر:۱۸)

عمل کی بنیاد رضائے الٰہی ہونی چاہئے:

فرمایا کہ صرف نماز روزہ ہی دین نہیں بلکہ دین تو ساری زندگی ہے۔اور ہر ہر جگہ اپنے آپ کو معیار کے مطابق استعمال کریں تب جا کر آخرت ملتی ہے۔ ہمارے ایک چیف انجینئر صاحب کہہ رہے تھے کہ چھوڑو ڈاکٹر صاحب یہاں پر کیا اسلام ہے، اسلام تو برطانیہ اور امریکہ میں ہے۔ میں نے کہا کہ وہ کیسے؟ تو اُنھوں نے بتایا کہ وہاں پر ایک آدمی اپنی دیوار میں میخ ٹھونکنا چاہتا تھا، بڑے دنوں تک وہ اپنے پڑوسی کے پاس جاتا رہا کہ اس سے اجازت لے لے لیکن وہ اُس کو نہ ملا۔ آخر اُس نے وہاں خط لکھ کر چھوڑا کہ میں اپنی دیوار میں کوئی چیز لٹکانے کے لیے میخ ٹھونکنا چاہتا ہوں اُس کے لئے آپ اجازت دے دیں، اُس نے جب اجازت دی تو تب اُس نے میخ ٹھونکی۔ تو میں نے کہا کہ وہ یہ بات اخلاقیات وشرافت کی وجہ سے نہیں کر رہا تھا بلکہ اس لئے کر رہا تھا کہ اگر اُس نے بغیر اجازت یہ کیا ہوتا تو اُس کو جیل میں ڈال دیا جاتا کہ اُس نے پڑوسی کے سکون کو برباد کیا ہے اور اس کے حق کو ضائع کیا ہے۔

کینیڈا میں بنگلہ دیش کا ایک آدمی تھا، اُس کا بیٹا ڈاکٹر ہو گیا۔ایک دفعہ باپ کو رات کو تکلیف ہوئی اور وہ اپنے بیٹے کے فلیٹ میں گیا اور گھنٹی بجائی، بیٹے نے باہر نکل کر کہا کہ کیا بات ہے؟ تو اُس نے کہا کہ میں تیرا باپ ہوں اور تکلیف میں ہوں اس لیے آیا ہوں۔ تو بیٹے نے جواب دیا کہ آپ اس بات کو نہیں دیکھتے کہ یہ میرے آرام کا وقت ہے۔ اُس نے پھر کہا کہ فلانے میں تیرا باپ ہوں، تو بیٹے نے جواب دیا کہ آپ میرے باپ ہوں گے مگر ایک تو یہ میرے آرام کا وقت ہے اور دوسرا اس کام کے لیے کچولٹی میں ڈاکٹر بٹھایا ہوا ہے۔ سادہ لوح باپ نے پھر اصرار کیا تو بیٹے نے کہا کہ اگر آپ نہیں جاتے تو میں ٹیلی فون کر کے پولیس کو بلاتا ہوں اور اُس نے واقعی فون کر کے پولیس والے کو بلا لیا اور باپ کو پکڑوا دیا۔ جب گرفتار کر کے پوچھ گچھ کی گئی تو باپ نے کہا کہ میں بنگلہ دیش کا باشندہ ہوں اور یہ میرا بیٹا ہے۔ وہ پولیس والا بڑی عمر کا آدمی تھا، کہنے لگا کہ مجھے آپ کے رسم ورواج کا پتہ ہے کہ آپ لوگوں کے بیٹے آپ کے لئے اس طرح کی قربانی کرتے ہیں اس لیے میں کچھ نہیں کہتا اور آپ کو چھوڑ دیتا ہوں، ورنہ اصلی قانون یہ ہے کہ آپ کو گرفتار

کیا جائے۔تو دیکھ لیجئے باپ بیٹے کے ہاتھوں گرفتار ہو رہا تھا۔

گناہوں اور معصیت کی وجہ سے باطن میں شرمندگی محسوس ہو جائے تو اس سے بڑھ کر کوئی دولت نہیں:

فرمایا کہ فاسق وفاجر آدمی کی سرشت اچھی ہو تو اس کو ندامت اور شرمندگی محسوس ہوتی ہے۔نفس کی یہ ذلت کی حالت ایک تواضع پیدا کر دیتی ہے۔میں ایک دفعہ ایک کام کیلئے سیکریٹریٹ گیا، وہاں ایک سیکشن آفیسر ہمارے دوست ہیں۔میں اُن سے ملا کہ فلاں سیکریٹری کے ساتھ کام ہے تو اُس نے کہا کہ اُس کے پاس نہ جانا شرابی آدمی ہے۔مولوی آدمی یا داڑھی والے کو دیکھتا ہے تو اُس کو بڑی نفرت ہوتی ہے۔آپ کا کام مشکل ہے کہ وہ کرے۔میں نے کہا کہ اس کے پاس میں ضرور جاؤنگا، انشاءَ اللّٰہ۔پہلی بات تو یہ ہے کہ وہ شیر تو ہے نہیں کہ مجھے کھا لے گا۔میں اُس کے پاس اپنے کام کو دلائل کے ساتھ پیش کرونگا اگر اُس نے مان لیا تو اچھی بات اور اگر نہ مانا تو، السّلام علیکم، واپس آ جائینگے۔اب جب میرے پاس اُس سے ملنے کا اور کوئی ذریعہ نہیں ہے تو خود ہی ملوں گا۔اور ایک میرے دل میں یہ خیال آیا کہ ایسے آدمی جو ہوتے ہیں ان کو ایک قسم کی ندامت حاصل ہوتی ہے کہ یا اللہ! ہم تو بڑے خوار ہیں اور یہ اچھے لوگ ہیں۔اُس کے پاس میں گیا، خلافِ توقع وہ بڑے اچھے طریقے سے ملا اور پوچھا کہ آپ کیسے آئے۔میں نے کہا کہ جی یہ میرا کام ہے اور یہ اُصولوں اور قانون کے تحت دُرست ہے اس کو ہونا چاہیے بس یہ عرض کرنے آیا تھا۔اُس نے کہا کہ فکر نہ کریں میں کوشش کرونگا۔میں نے کہا کہ ٹھیک ہے اور چلا آیا۔

دوسری بار جاتے ہوئے پھر اتفاقاً مجھے ایک آدمی مل گیا تو اُس سے میں نے کہا کہ اُس شخص کو کہہ دینا کہ میں اُس سے ملنے کے لیے جا رہا ہوں۔اور اُس آدمی نے بھی اُس کو کہہ دیا تھا، یہ کوئی اُس کے لیول کا افسر تھا۔پھر میں ملنے گیا تو کہنے لگا کہ آپ تقویٰ کریں کام ہو جائیگا۔اس کو اتنی بھی دینی معلومات نہیں تھیں کہ توکل کو تقویٰ کہہ رہا تھا۔اللہ کی شان کہ جب اُس نے کام کر دیا تو سارے حیران تھے کہ یہ کیسے ہو گیا۔میں نے کہا کہ آپ لوگوں کو پتہ نہیں ہے ان لوگوں کے بارے میں، ان کے باطن میں ندامت ہوتی ہے۔اپنے گناہوں اور معصیت کی وجہ سے ان کو شرمندگی ہوتی ہے اور یہ بہت بڑی دولت ہے جو ان کے پاس ہے۔سارے اعمال کرنے کے بعد اور تقویٰ کے اُونچے مقامات کے باوجود جب تک احساسِ ندامت آدمی کے

پاس نہ ہو تو اُس کا کام نہیں بنتا۔ کام والا آدمی تب ہوتا ہے جب سارے کمالات کے ساتھ احساسِ ندامت اور باطن میں احساسِ ذلت اُس کے ساتھ ہو ورنہ تو انسان اسی زعم میں رہتا ہے کہ ہم یہ کر رہے ہیں، وہ کر رہے ہیں وغیرہ۔ کرنے کی کیا قیمت ہے؟ اللہ تعالیٰ کے حضور تو قبولیت کی قیمت ہے۔ قبول بھی ہے یا نہیں کس کو معلوم ہے؟

تقویٰ کب حاصل ہوتا ہے:

فرمایا کہ آدمی نوافل پڑھ رہا ہے اور اس کمرے سے نکل کر دوسرے کمرے کو جو آیا اور کمرے کی بجلی کو بلاضرورت جلتے ہوئے چھوڑ دیا تو اس نوافل والے صاحب کو اس کا بھی احساس ہونا چاہئے کہ اسراف وتبذیر نہ ہو۔ کہ وہ تو اللہ تعالیٰ کی نعمت ہے اُس پر حساب دینا ہوگا۔ تقویٰ و پرہیزگاری صرف کثرتِ ذکر اور کثرتِ نوافل نہیں ہے بلکہ ساری باتوں کا دھیان کرنا ہوتا ہے۔ سب باتوں کا جب آدمی دھیان کرتا ہے اور ہر جگہ پر اپنے آپ کو اُصولوں کے مطابق استعمال کرتا ہے تو تقویٰ تب حاصل ہوتا ہے۔ صرف کثرتِ ذکر پر تقویٰ نہیں حاصل ہوتا۔ میں اپنے کام کے سلسلے میں اکثر ہائیکورٹ جایا کرتا تھا۔ وہاں برآمدے میں ایک بڑی جگہ تھی جہاں ہم نماز پڑھتے تھے، تکلیف ہوتی تھی۔ کچھ دنوں کے لیے کوئی چیف جسٹس آ گیا جو کہ کسی غلط فرقے والا تھا اور اُس کے پیچھے لوگ بڑی باتیں کرتے رہتے تھے۔ اللہ کی شان کہ جب وہ ریٹائر ہونے لگا تو مسجد کی زمین اُس نے دی۔ زمین وہاں پر تھی مگر سارے لوگ جو کہ متقی اور پرہیزگار تھے کسی نے مسجد کو زمین نہیں دی۔ میں نے سوچا کہ اُس نے کہا ہوگا کہ باقی تو سارا اعمال نامہ سیاہ ہے، ایک تو اُس کے پاس عاجزی و تواضع تھی کہ ہمارا اعمال نامہ سیاہ ہے انتہائی گرے پڑے ہیں، چلیں مسجد کے لیے زمین دے دیں شاید اللہ تعالیٰ رحمت فرما دیں۔ یہ جو معصیت میں بھرا ہوا آدمی ہوتا ہے یہ اس بات پر جیت جاتا ہے، اور ہم تقویٰ پرہیزگاری کرنے والے، اپنے آپ کو اچھا، بہتر اور معیاری سمجھتے ہوئے ہار جاتے ہیں۔

موتی سمجھ کے شانِ کریمی نے چن لئے
قطرے گرے جو تھے میرے عرقِ انفعال کے　　(عرقِ انفعال: ندامت کا پسینہ)

ہمارے محلے والے گشت کے لیے جاتے ہیں تو کبھی مجھ سے کہتے ہیں کہ گشت کے اُصول بیان کرو تو میں ایک بات اُن سے کہا کرتا ہوں کہ ہم جب نکلتے ہیں تو یہ لوگ کہتے ہیں کہ کتنے اچھے لوگ ہیں کہ دین کی

بات کہنے کے لیے آرہے ہیں، انھوں نے نماز پڑھی ہے پرہیز گار ہیں، وہ ہمیں دیکھ دیکھ خوش ہورہے ہوتے ہیں۔اس سے ہر لمحہ انکا درجہ بلند ہورہا ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ کا قرب ان کو حاصل ہورہا ہوتا ہے۔اور ہم باہر نکلیں اور انکو دیکھ کر سوچیں کہ انکی شکل کو دیکھو یہ بے نمازی ہیں، یہ کیا کرر ہے ہیں، یہ کیا بے وقوف ہیں وغیرہ ،تو ہم ہر قدم پر اللہ تعالیٰ سے دُور ہورہے ہوتے ہیں۔ دین کا کام کر کے ہمارے اندر عجب آرہا ہے تعلّی یعنی اپنی بڑائی اندر آرہی ہے کہ ہم بڑا کام کرر ہے ہیں ہم بڑے درجے والے ہیں اور یہ نعوذ باللہ بے وقوف ہیں، بڑے ناسمجھ ہیں، تو ہم تو ہر گھڑی اللہ سے دُور ہورہے ہوتے ہیں اور یہ ہر گھڑی قریب ہورہے ہوتے ہیں۔

تربیت کے لئے آدمی کی استعداد بھی دیکھی جاتی ھے:

فرمایا کہ آدمی کی استعدادیں ہم دیکھتے ہیں اور ملکات دیکھتے ہیں ان میں ہم آدمی کے فہم اور معاشرت کو بہت دیکھتے ہیں کہ اُس کا اُٹھنا بیٹھنا، ملنا ملانا، دوسروں کا لحاظ اور خیال کرنا نیز آداب واطوار کیسے ہیں۔ اگر اس میں وہ آدمی کمزور ہو تو اس کے ذکر وفکر اور رونے دھونے پر ہم دھیان نہیں کرتے ، کہ رورہا ہے، نہیں رورہا ہے، چیخ رہا ہے، نہیں چیخ رہا ہے وغیرہ۔

یہ واقعہ میں نے آپ کو کئی بار سنایا ہے کہ ایک آدمی کو حضرت مولاناؒ کے پاس لے آئے۔ آدمی بڑا ذاکر شاغل اور کشف وانوارات کے ادراک والا تھا۔لیکن مجلس میں آیا تو اُس نے ایک آدمی کی بات کاٹی اور اپنی بات کرنا شروع کردی۔ حضرت مولانا صاحبؒ نے فرمایا کہ یہ کامل نہیں ہے خودرو ہے۔ ذاکر شاغل اور کشف والا ہے مگر کامل نہیں ہے کیونکہ اس کو مجلس میں بات کرنے کا طریقہ ہی نہیں آتا۔ کمال صرف کثرتِ ذکر کا نام نہیں ہے، کمال تو شخصیت کی تربیت کا نام ہے کہ تربیت ہوئی ہے کہ نہیں ہوئی۔ کثرتِ ذکر کا بھی ثواب ضرور ہوتا ہے۔ یہ تربیت یافتہ آدمی جب کارخانوں میں ملازمتوں میں اور مختلف کاموں میں استعمال ہوتا ہے تو اس کے سارے اعمال کی اٹھان اور بنیاد رضائے الٰہی پر ہوتی ہے، مادی وسائل کے حصول کے لیے نہیں ہوتی۔ چنانچہ اس محنت کے نتیجے میں اس کو صرف مال اور مادی وسائل نہیں حاصل ہوتے بلکہ اللہ تعالیٰ اطمینان ، راحت، سکون اور برکت بھی نصیب فرماتا ہے یعنی اسبابِ راحت ہونگے اور راحت بھی ہوگی، اسباب عزت ہونگے اور عزت بھی ہوگی۔ ورنہ اسبابِ راحت ہونگے ، اسبابِ عزت ہونگے لیکن نہ راحت ہوگی نہ عزت ہوگی، نہ اطمینان ہوگا نہ سکون ہوگا، تو فائدہ ہی کیا ہوا؟

غیر مسلموں کا اسلام کے ساتھ تعلق فقط معلوماتی ہے:

فرمایا کہ ہمارے اناٹومی ڈیپارٹمنٹ میں ایک ہندو لیڈی ڈاکٹر ہوا کرتی تھی۔ اس نے ایف۔ سی۔ پی۔ ایس کا امتحان بار بار دیا لیکن فیل ہو جاتی تھی۔ ایک دفعہ اس نے مجھ سے کہا کہ ڈاکٹر صاحب! میں نے سنا ہے کہ آپ کے قرآن پاک میں بڑے بڑے وظائف ہیں، ان سے آپ لوگ بڑے بڑے کام نکالتے ہیں، کوئی وظیفہ مجھے بھی بتا دیں۔ دنیا کا کام نکالنے کے لیے کافر کے لیے بھی وظیفہ مؤثر ہو جاتا ہے۔ اس کو ایک آیت بتا دی، اس نے پڑھنا شروع کر دی۔ پھر دوبارہ آئی اور کہنے لگی کہ مسلمانوں کے پاس بڑے بڑے تعویذ بھی ہوتے ہیں۔ میں نے سوچا کہ ہمارا کیا ہاتھ دُکھتا ہے، اسی آیت کو کاغذ پر لکھ کر دے دیا۔ اس نے امتحان دیا اور پاس ہو گئی۔ پانچویں یا چھٹی کوشش میں پاس ہوئی تھیں۔ ہدیے اور شکریے میں اس نے قرآن پاک کا ایک غلاف اور سو روپے بھیجے۔ میرا خیال ہے اس وقت سو روپے میں کوئی چار مرغیاں آتی ہوں گی، اب تو شاید چار سو میں آتی ہوں۔ میں نے اس سے کہا کہ میں کوئی پیشہ ور دم گر نہیں ہوں کہ شکرانے جمع کروں، آپ کا غلاف لے لیتے ہیں۔ اس نے کہا کہ آپ پیسے بھی ضرور لیں گے میں نے سوچا کہ مدینہ مسجد کے چندہ میں لے لیتے ہیں۔ خیال ہوا اس مسئلہ کو دیکھتے ہیں۔ فتاویٰ دیوبند میں دیکھا اس میں لکھا ہوا تھا کہ مسجد کے لیے کسی ایسے کافر کا چندہ قبول کیا جا سکتا ہے جو کل مندر کے لیے چندہ مانگنے نہ آئے اور دوسری بات یہ کہ اس کے انتظامی اُمور میں مداخلت نہ کرے۔ لہٰذا مدینہ مسجد کے لیے سو روپے لے لیے اور غلاف گھر میں رکھ لیا۔ خیر اس کے ان دنوں کے حالات دیکھ کر میں سوچتا تھا کہ یہ تو قرآن پاک کے اتنے قریب ہو گئی ہے کہ اس کی بھی مغفرت ہونی چاہیے۔ اس کو اتنا اعتقاد حاصل تھا۔ جیسے یہ مسئلہ سامنے آیا تو میرے ذہن میں آیا کہ اس پر تحقیق کی جائے کہ ایسے لوگوں کا خاتمہ کیسے ہوتا ہے کہ ایسی وابستگی قرآن پاک کے ساتھ رکھتے ہوں کہ کام بننے کا اعتقاد رکھ کر وظیفہ پڑھتے ہوں اور محبت بھی رکھتے ہوں۔ اس پر معارف القرآن کو پڑھتے پڑھتے اس میں ایک عجیب بات سامنے آئی، اس بات کو مولوی صاحبان جو دورۂ تفسیر اور دورۂ حدیث کیے ہوئے ہیں سے پوچھا اور ڈاکٹر سیار صاحب سے بھی پوچھا، وجہ یہ ہے کہ قرآن کو عملی لحاظ سے غور سے نہیں پڑھا جاتا، صرفی نحوی لحاظ سے پڑھا جاتا ہے۔ تو اس میں یہ اندازہ ہوا کہ ان لوگوں کا اسلام کے ساتھ تعلق فقط معلوماتی ہے، جاننے کا ہے ماننے کا نہیں ہے۔

(جاری ہے)

گستاخیٔ اولیاء موجب خسران الدنیا و الاخرۃ

(انجینئر نجیب الدین محمد صاحب، پشاور)

غزالی میں ڈاکٹر قیصر صاحب کے سفرِ حج کی دلچسپ روئیداد پڑھی۔ بندہ کو بھی اسی سال حج کی توفیق نصیب ہوئی جس دفعہ قیصر صاحب نے اپنے پروفیسر حضرات کے ساتھ حج کیا تھا لیکن جس صبر کا مظاہرہ انہوں نے کیا ہے اور جو مجاہدے اور مشقتیں انہوں نے برداشت کی ہیں اور انہی مجاہدوں کے بقدر اجر وثواب کمایا ہے اس کے مقابلے میں بندہ کا حج نہایت آرام اور سہولت سے ہوا۔ الحمدللہ!

ڈاکٹر قیصر صاحب نے سفرِ حج میں غیر مقلدین (اہلِ حدیث) حضرات سے بحث کا تذکرہ کیا جو بلاوجہ چھوٹی چھوٹی باتوں میں حنفیوں سے الجھتے ہیں۔ بندہ نے بھی یہ بات محسوس کی کہ حرمین شریفین میں غیر مقلدین کا اثر ورسوخ بڑھ رہا ہے اور وہ لوگ جگہ جگہ حاجیوں کو بڑے طریقے سے ائمہ کرام رحمھم اللہ علیھم اجمعین کی تقلید سے متنفر کرتے ہیں، خاص کر امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی عظمت گھٹانے کی حتی الوسع کوشش کرتے ہیں۔

بندہ کو بھی ایک دفعہ ایسی جماعت ست سابقہ پڑا۔ اس سے پہلے عرض کرتا چلوں کہ سفرِ حج میں مطالعہ کے لئے کچھ کتب میں اپنے ساتھ لے گیا تھا جن میں حضرت شیخ الحدیث مولانا زکریا رحمۃ اللہ علیہ کی ''فضائل حج'' و ''فضائلِ درود شریف''، ہمارے شیخ و مربی حضرت فدا محمد صاحب دامت برکاتھم کی کتاب ''حج کی آسان اور مفید ترتیب''، مفتی سعید احمد صاحب مظاہر العلوم کی کتاب ''حج کے مسائل'' اور ادارہ ضرب مومن کے مفتی محمد صاحب کی حج کے بارے میں کتابیں شامل ہیں۔ ان کتب کے بار بار مطالعے سے بڑا فائدہ ہوا اور بہت کم کسی سے مسئلہ پوچھنے کی نوبت آئی۔

انہی کتب کے مطالعہ سے ایک بات یہ بھی علم میں آئی کہ ہمارے حنفی مذہب میں عمرہ کے لئے احرام باندھنا مسجد عائشہ رضی اللہ عنہا سے افضل ہے۔ جعرانہ سے بھی احرام باندھنا صحیح ہے لیکن افضلیت مسجد عائشہؓ کی ہے۔ غیر مقلدین حضرات جعرانہ کی افضلیت کے قائل ہیں۔

جس عمارت میں ہماری رہائش تھی کئی ایک ساتھیوں نے بتایا کہ کچھ لمبی داڑھیوں والے

لوگ آتے ہیں اور باتوں باتوں میں کہتے ہیں کہ آپ میں کوئی عمرہ کرنا چاہے تو احرام جعرانہ سے باندھ کر آئیں، مسجد عائشہ نزدیک ہے یہاں سے آپ کا عمرہ صحیح نہیں ہوگا۔

بندہ ایک دن مسجد عائشہؓ سے احرام باندھ کر آیا۔ عمرہ ادا کرنے کے بعد احرام ہی کی حالت میں نماز کے انتظار میں تھا۔ قریب بیٹھے ہوئے دو بندے میری طرف متوجہ ہو کر گویا ہوئے۔ ''ماشاء اللہ، ماشاء اللہ، آپ نے عمرہ ادا کیا اللہ تعالیٰ قبول فرمائے۔ احرام کہاں سے باندھ کر آئے تھے؟'' ''مسجد عائشہؓ سے'' میں نے جواب دیا۔ ''احرام جعرانہ سے کیوں نہیں باندھا؟ حضور ﷺ نے حضرت عائشہؓ کو آپؓ کے بھائی عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ کے ساتھ کسی عذر کی وجہ سے احرام باندھنے کے لئے بھجوایا تھا، افضل تو جعرانہ سے ہے'' انہوں نے اپنا فتویٰ بتایا۔''

''لیکن حضرت شیخ الحدیث رحمۃ اللہ علیہ اور مفت سعید احمد صاحب سہارنپوری نے تو اپنی کتابوں میں مسجد عائشہؓ کو افضل بتایا ہے۔'' میں جو ابھی تک انہیں پہچان نہیں سکا تھا، کسی قدر تذبذب میں جواب دیا۔

''مولانا زکریا صاحب کی حج والی کتاب تو بدعات سے بھری ہوئی ہے، بندے کے وسیلے سے مانگنا انہوں نے جائز بتایا ہے یہ اسلام میں کہاں سے آیا؟'' انہوں نے کہا۔

بندہ اُن کی یہ بات سن کر چونکا، سمجھ گیا کہ غیر مقلدین ہیں اور بحث کے موڈ میں ہیں۔ میں نے جان چھڑانے کے لئے کہا کہ بھئی ہمارے حنفی مذہب میں یہی بات ہے۔ میری بات سن کر انہوں نے مجھے قائل کرنے کی کوشش کی کہ '' آدمی کو خود بھی تحقیق کرنی چاہئے۔ ابوحنیفہ صاحب نے خود بھی کہا ہے کہ میری کسی بات کو حدیث کے خلاف پاؤ تو دیوار پر دے مارو۔'' اب مجھے بھی کچھ غصہ آ گیا، میں نے جواب دیا، ''اُن بزرگوں کا علم، اُن کا تقویٰ، اُن کا مجاہدہ۔ اُن کے مقابلے میں میری کیا تحقیق ہوگی؟ میں تو امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کا مقلد ہوں۔ انہوں نے جو فرمایا ہوا ہے اس کا مطلب ہی یہ ہے کہ اُن کے تمام فقہی مسائل کی بنیاد قرآن و حدیث ہیں اور کوئی بات بھی قرآن و حدیث سے متصادم نہیں ہے۔ انہوں نے جو کچھ تحقیق کے بعد لکھا ہوا ہے اسی پر عمل کرنے میں میری کامیابی ہے اور وہی

دین ہے۔"

میری ان باتوں پر وہ دونوں حضرات استغفار پڑھتے ہوئے اور لاحول کہتے ہوئے اگلی صف میں جا کر بیٹھ گئے۔

اگلے دن میں نے ہمارے حضرت مولانا اشرف صاحب سلیمانیؒ کے خلیفہ حاجی عبدالمنان صاحب (جو مکہ مکرمہ میں مقیم ہیں) سے پوچھا تو انہوں نے بھی مسجد عائشہؓ کا افضل ہونا بتایا۔ پھر ایک دوست نے مدرسہ صولتیہ کے مفتی صاحب سے پوچھا تو انہوں نے جواب دیا کہ "ہمارے مذہب میں عمرہ کے لئے احرام باندھنا ہی مسجد عائشہؓ سے ہے۔"

غیر مقلدین حضرات چند ایک کتابیں پڑھنے کے بعد علامہ وقت بن جاتے ہیں اور بعضے اُن میں حضرت امام ابو حنیفہؒ کے بے ادبی پر اُتر آتے ہیں۔ مشائخ فرماتے ہیں کہ جو لوگ ائمہ کرام رحمہم اللہ کی ہتک و بے ادبی کرتے ہیں۔ مشائخ فرماتے ہیں اُن کے سوءِ خاتمہ کا اندیشہ ہوتا ہے۔

اہل حدیث میں کچھ علماء ایسے بھی ہیں جو تمام ائمہ کرام کی عظمت و بزرگی کے قائل ہیں اور اُن کے ساتھ بے ادبی کو برا سمجھتے ہیں۔ ہمارے شیخ و مربی حضرت حاجی صاحب دامت برکاتہم نے بھی ایک مرتبہ لاہور کے غزنوی خاندان ک اہل حدیث علماء کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا کہ وہ بھی تمام ائمہ کرام رحمہم اللہ کا تذکرہ ادب کے ساتھ کرتے اور اُن کی شان میں گستاخی کو سخت معیوب سمجھتے تھے۔

انہی میں ایک بزرگ عبدالجبار غزنوی مرحوم کا قصہ نظروں سے گزرا۔ واقعہ یوں ہے کہ امرتسر میں ایک محلّہ تیلیاں تھا جس میں اہل حدیث حضرات کی اکثریت تھی۔ وہاں عبدالعلی نامی ایک مولوی امامت و خطابت کے فرائض انجام دیتا تھا۔ وہ مدرسہ غزنویہ میں مولانا عبدالجبار غزنوی صاحب سے بھی پڑھا کرتے تھے۔ ایک بار مولوی عبدالعلی نے کہا کہ "ابو حنیفہ سے تو میں اچھا اور بڑا ہوں کیونکہ انہیں صرف سترہ حدیثیں یاد تھیں اور مجھے اُن سے کہیں زیادہ یاد ہیں۔" اس بات کی اطلاع مولانا عبدالجبار صاحب کو پہنچی۔ وہ بزرگوں کا نہایت ادب و احترام کیا کرتے تھے۔ انہوں نے یہ

بات سنی تو ان کا چہرہ غصے سے سرخ ہوگیا۔انہوں نے حکم دیا کہ اس نالائق (عبدالعلی) کو مدرسے سے نکال دو۔اس کو جب مدرسے سے نکالا گیا تو مولانا عبدالجبار غزنوی صاحب نے فرمایا کہ مجھے ایسا لگتا ہے کہ یہ شخص عنقریب مرتد ہوجائے گا۔

کہتے ہیں کہ ایک ہفتہ گزرا تھا کہ وہ شخص مرزائی ہوگیا اور لوگوں نے اُسے ذلیل کر کے مسجد سے نکال دیا۔کسی نے مولانا عبدالجبار غزنوی سے سوال کیا حضرت آپ کو کیسے علم ہوگیا کہ وہ عنقریب کافر ہوجائے گا؟ فرمانے لگے کہ ''جس وقت مجھے اس کی گستاخی کی اطلاع ملی اس وقت بخاری شریف کی یہ حدیث سامنے آگئی،

مَنْ عَادٰی لِیْ وَلِیّاًفَقَدْ اذنته با لحرب (حدیث قدسی)

ترجمہ: جس شخص نے میرے کسی ولی سے دشمنی کی تو میں اس کے خلاف اعلان جنگ کرتا ہوں۔

میری نظر میں امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ ولی ہیں۔جب اللہ کی طرف سے اعلان جنگ ہوگیا تو جنگ میں ہر فریق دوسرے کی اعلیٰ چیز کو چھینتا ہے اس لئے ایسے شخص کے پاس ایمان کیسے رہ سکتا ہے۔''

اللہ تعالیٰ ہم سب کو بزرگانِ دین سے خصوصاً ائمہ متبوعین سے حسن ظن رکھنے کی توفیق عطا فرمائے اور اُن سے گستاخی اور بے ادبی سے محفوظ فرمائے کیونکہ اس کا نتیجہ ہر دو جہان میں موجب خسران ونقصان ہے۔

ؔ از خدا خواھیم توفیقِ ادب
بے ادب محروم شد از لطف ربّ

ترجمہ: ہم خدا سے ادب کی توفیق مانگتے ہیں کیونکہ بے ادب آدمی اللہ تعالیٰ کے لطف (مہربانی) سے محروم ہوجاتا ہے۔

☆☆☆☆☆☆☆

عید کی نماز (قسط۔۲)

(مفتی شوکت صاحب، صوابی)

عید کی نماز احادیث کی روشنی میں:

اس باب میں احادیث مبارکہ بکثرت وارد ہوئی ہیں کہ آپ ﷺ عید کی نماز پڑھنے کیلئے مدینہ سے باہر تشریف لے جایا کرتے تھے۔ اس قسم کی احادیث بالتفصیل ذکر کرنا طوالت کا سبب بنے گا۔ لہٰذا ان کے اطراف اور حوالہ جات پر اکتفا کیا جارہا ہے۔ فقیر کے خیال میں ایک سچے مسلمان کیلئے فقہی ابحاث واختلافات کے بجائے ان احادیث کا تذکرہ بھی کافی ہے جن میں حضور نبی کریمؐ کا عام معمول مدینہ (شہر) سے باہر صحراء اور میدان میں نکل کر نمازِ عید پڑھنے کا صحیح اسناد کے ساتھ منقول ہے۔ آیئے دیکھتے ہیں کہ احادیث میں کیا ہے۔۔۔؟

امام بخاریؒ نے اس پر باب باندھا ہے "باب الخروج الیٰ المصلیٰ بغیر منبر " آگے لکھتے ہیں۔

(۱) کان النبی ﷺ یخرج یوم الفطر والاضحی الی المصلی (بخاری)

ترجمہ: نبی ﷺ چھوٹی اور بڑی عید (دونوں) میں باہر نکلتے تھے۔

(۲) یقول ان النبی ﷺ خرج یوم الفطر ...الخ

ترجمہ: راوی کہتا ہے کہ نبی ﷺ یوم الفطر میں باہر تشریف لے گئے۔

(۳) قال خرج رسول اللہ ﷺ یو م الفطر........ (ابوداؤد)

ترجمہ: رسول اللہ ﷺ عید کی نماز کیلئے باہر تشریف لے گئے۔

(۴) کا ن رسول اللہ ﷺ یخرج یوم العید..........(ابن ماجہ)

ترجمہ: رسول اللہ ﷺ عید کے دن باہر (صحرا میں) نکلتے تھے۔

(۵) کان رسول اللہ ﷺ یخرج الی العید ما شیاو یر جع ما شیاً (ابن ماجہ)

ترجمہ: رسول اللہ ﷺ نماز کیلئے نکل کر پیدل جایا کرتے تھے اور پیدل واپس آتے تھے۔

(۶) کان اذا خرج الی العیدین ..الخ .... (ابن ماجہ)

ترجمہ: جب آپ ﷺ عیدین کی نماز کیلئے باہر تشریف لے جاتے تھے......الخ

(۷) عن علی قال من السنة ان تخرج الی العید ما شیاً ...الخ (ابن ماجہ)

(۸) عن علیؓ قال من السنة ان تخرج الی العید ما شیاً ...الخ (ترمذی ص/۱۱۹،ج/۱)

ترجمہ: حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ سنت یہ ہے کہ نماز عید پڑھنے کیلئے (شہر سے باہر نکل کر) پیدل چلا جائے۔

اسی حدیث کے حاشیہ پر محدث احمد علی سہارنپوریؒ رقمطراز ہے۔

قال فی متن در المختار ....ثم خروجه ما شیا الی الجبا نة، والخروج الیها سنة وان وسعهم المسجد الجا مع (ترمذی ج/۱،ص/۱۱۹)

ترجمہ: درمختار میں کہا ہے.....پھر صحراء و میدان کی طرف پیدل چلنا اور (شہر سے) نکلنا سنت ہے، اگر چہ جامع مسجد میں تمام لوگ جمع ہو سکتے ہوں۔

ان روایات سے یہ بات واضح ہوگئی کہ آپ ﷺ عید کی نماز مسجد نبوی ﷺ میں نہیں بلکہ مدینہ سے باہر صحرا میں پڑھا کرتے تھے۔

آپ ﷺ کی نمازِ عید مسجد میں:

اب دیکھنا یہ ہے کہ اس کے ساتھ ساتھ کبھی آپ ﷺ نے مسجد کے اندر بھی عید کی نماز پڑھی ہے یا نہیں........؟ ایک روایت میں آیا ہے:

عن ابی هریرة رضی اللہ عنہ انـه اصا بهم مطر فی یو م عید فصلی بهم النبی ﷺ صلو ة العید فی المسجد.............. (رواہ ابوداؤد وابن ماجہ)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک دن بارش آگئی تو نبی کریم ﷺ نے عید کی نماز مسجد میں پڑھائی۔

حدیث شریف سے معلوم ہوا کہ آپ ﷺ نے بارش کے عذر کی وجہ سے نماز عید مسجد میں پڑھی ہے۔

پس آپ ﷺ کا خروج الیٰ المصلیٰ پر مداومت اور مسجد کے اندر بعذر المطر سے یہ بات پایہ ثبوت تک پہنچتی ہے کہ نماز عیدین کیلئے شہر سے باہر نکلنا سنت ہے اور مساجد کے اندر بلا عذر پڑھنا خلاف سنت ہے۔

عید کی نماز کہاں پڑھی جائے؟

اس میں ائمہ کا اختلاف ہے مگر پہلی بات یہ ہے کہ عید کی نماز کی سنّیت کے حوالے سے صحراء یا مسجد میں نماز پڑھنے کے اختلاف دنیا کے تمام بلاد میں ہے یا مکہ مکرّمہ اس سے مستثنیٰ ہے۔ اس کے بارے میں ابوداؤد کی شرح "عون المعبود" میں لکھا ہے:

قال ابن الملک......فالافضل ادائها فی الصحراء فی سائر البلدان وفی مکة خلاف (عون المعبود شرح ابی داؤد)

ترجمہ: مکہ کے علاوہ تمام بلاد ومکانات میں افضل یہ ہے کہ نماز عید صحراء میں ہی پڑھی جائے البتہ اس (مکہ کے بارے) میں اختلاف ہے۔ آگے تحریر فرماتے ہیں:

والظاهر ان المعتمد فی مکة ان یصلی فی المسجد الحرام علیٰ ما علیها العمل فی هٰذه الایام،.........فانه موضوع بحکم قوله تعالیٰ [اِنَّ اَوَّلَ بَیْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ] لعموم عباداتهم من صلوٰة الجماعة والجمعة والعید والاستسقاء والجنازة والکسوف والخسوف ،ذکره فی المرقاة......... (عون المعبود شرح ابی داؤد)

ترجمہ: اور ظاہر ہے کہ مکہ کے بارے میں معتمد بات یہ ہے کہ یہاں (عید کی نماز) مسجد حرام میں پڑھی جائے۔ کیونکہ اسی پر آج تک عمل ہو رہا ہے (کیونکہ اس کے خلاف کسی سلف وخلف سے نکیر منقول نہیں ہے دوسری بات یہ ہے کہ یہ) آیت [اِنَّ اَوَّلَ بَیْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ] کے مطابق نماز باجماعت ہو، جمعہ ہو، عید، استسقاء، جنازہ، خسوف اور کسوف وغیرہ تمام عبادات کیلئے مقرر کیا گیا ہے۔

حضرات شوافعؒ:

مکہ مکرمہ کے علاوہ باقی تمام بلاد میں امام شافعیؒ کے نزدیک اگر جامع مسجد اتنی بڑی ہو کہ اس میں اہل بلد کی آبادی سما سکے، جیسا کہ حرمین شریفین ہیں، تو اس صورت میں عید کی نماز مسجد میں پڑھنا افضل ہے۔

قول الشافعی انه اذا کان مسجد البلد واسعاً صلوا فیه ولایخرجون فکلامه یقضی بان العلة فی الخروج طلب الاجتماع........فاذا حصل ذالک فی المسجد فهو افضل ... . (عون المعبودشرح ابی داؤد)

ترجمہ: امام شافعی کا قول یہ ہے کہ جب مسجد البلد وسیع ہو تو اسی میں نماز پڑھیں، باہر نہ نکلیں، پس امام صاحب کے کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ خروج کی علت حصول اجتماع ہے جب وہ مسجد میں حاصل ہو سکتا ہے تو یہ افضل ہے۔

(۲) قالوا فعلها بالمسجد افضل لشرفه الا لعذر کضیقیه ،فیکره فیه للزحام و حینئذٍ یسن الخروج للصحراء (الفقه علی المذاهب الاربعة : ص ۳۰۲،ج ۱)

ترجمہ: یہ حضرات فرماتے ہیں کہ اس کا ادا کرنا مسجد میں اس کی شرافت کی وجہ سے افضل ہے، البتہ مسجد میں جگہ تنگ ہو تو اس صورت میں صحراء میں پڑھنا سنت ہے۔

حضرات مالکیہؒ :

ان حضراتؒ کے نزدیک صحرا میں نماز پڑھنا افضل اور مستحب ہے۔

(۱) قالوا یندب فعلها بالصحراء ولا یسن ، (الفقه علی المذاهب الاربعة : ص ۳۰۲،ج ۱)

(۲) عون المعبود شرح ابی داؤد میں بھی لکھا ہے:

والقول الثانی لمالکؒ ان الخروج الی الجبانة افضل ولو اتسع المسجد للناس (عون المعبود شرح ابی داؤد)

ترجمہ : (پہلا قول امام شافعیؒ کا ذکر کیا ہے اس لئے کہا کہ) دوسرا قول امام مالکؒ کا ہے کہ نکل کر صحراء میں نماز پڑھنا افضل ہے، اگرچہ تمام لوگوں کیلئے مسجد کافی ہو۔

امام مالکؒ نے ایک دلیل آپ ﷺ کی مواظبت (پابندی) کو قرار دیا ہے۔ دوسرا حضرت علی رضی اللہ عنہ کا قول پیش کیا ہے۔ لکھتے ہیں:

و حجتهم محافظته ﷺ علیٰ ذالک ولم یصل فی المسجد الا لعذر المطر.......

ولقول علی وانه روی انهٔ خرج الی الجبا نة لصلو ة العید وقال لو لا انهٔ السنة لصلیت فی المسجد وا ستخلف من یصلی بضعفة الناس فی المسجد ... (عون المعبود علی سنن ابی داؤد)

ترجمہ: اور اس پر آپ ﷺ کی مواظبت امام مالکؒ کی دلیل ہے۔ کیونکہ آپ ﷺ نے بارش کے عذر کے علاوہ مسجد میں (کبھی) نماز نہیں پڑھی ہے اور یہ کہ روایت کی گئی ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ عید کی نماز کیلئے صحرا میں نکلتے تھے اور کہتے تھے کہ اگر یہ (صحراء میں نکلنا) سنت نہ ہوتا تو میں مسجد میں نماز پڑھتا اور ضعفاء کیلئے

مسجد میں امام مقرر کر دیتے تھے۔

حضرات حنابلہؒ :

ان حضرات کے نزدیک عید کی نماز صحراء میں پڑھنا سنت ہے، جیسا کہ احناف کا مسلک ہے؛ لکھتے ہیں:

الحنابلہ قالوا تسن صلوٰۃ العید بالصحراء

(الفقہ علی المذاهب الاربعة : ص ۳۰۲، ج ۱)

ترجمہ: حنابلہ فرماتے ہیں کہ عید کی نماز صحراء میں پڑھنا سنت ہے۔

اور یہی مسلک احناف کا بھی ہے۔ لیکن حنابلہ حضرات نے اس کے ساتھ ایک شرط لگائی ہے، وہ یہ کہ صحراء معروف مسافت (دوری) پر واقع ہو۔ لہٰذا اگر بہت زیادہ دور ہو تو اس صورت میں ان حضرات کے نزدیک صحراء میں نمازِ عید پڑھنا سنت نہیں ہے۔ لکھتے ہیں:

بشرط ان تکون قریبة من البنیان عرفاً فان بعدت عن البنیان عرفاً فلا تصح صلوٰۃ العید فیھا رأساً ....(بحوالہ بالا)

ترجمہ: (نمازِ عید صحراء میں ادا کرنا سنت ہے مگر) اس شرط کے ساتھ کہ صحراء عرفاً آبادی کے قریب ہو۔ لہٰذا اگر کہیں صحراء عرفاً دور ہے تو پھر اس میں نماز درست ہی نہیں ہوتی۔

مسلک الاحناف :

اس میں احناف کا مسلک منصور یہ ہے کہ عید کی نماز صحراء میں پڑھنا سنت مؤکدہ ہے اگر چہ شہر کے جامع مسجد میں سارے نمازی آسکتے ہوں۔

ومذهب الحنفیة فی ذلک ما قال صاحب الدر المختار (والخروج الیها ای الجبانة لصلوۃ العید (سنة وان وسعهم المسجد الجامع) هو الصحیح

(بذل المجهود ۲/۲۱۲)

ترجمہ: اس میں احناف کا مذہب وہی ہے جو صاحب الدرالمختار نے لکھا ہے کہ نمازِ عید کیلئے باہر صحرا میں نکلنا سنت ہے۔ اگر چہ جامع مسجد میں لوگوں کی کثیر تعداد جمع ہو سکے اور یہ صحیح ہے۔

یہاں صرف مسالک کا ذکر کرنا مقصود تھا احناف کے مسلک پر فقہاء احنافؒ کے مزید حوالے انشاء اللہ تعالیٰ اگلی ابحاث میں ذکر کریں گے۔ (جاری ہے)

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۝

یَا مُصَوِّرُیَا مُصَوِّرُیَا مُصَوِّرُوَ لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ سُلٰلَۃٍ مِّنْ طِیْنٍ ۝ ثُمَّ جَعَلْنٰہُ نُطْفَۃً فِیْ قَرَارٍ مَّکِیْنٍ ۝ ثُمَّ خَلَقْنَا النُّطْفَۃَ عَلَقَۃً فَخَلَقْنَا الْعَلَقَۃَ مُضْغَۃً فَخَلَقْنَا الْمُضْغَۃَ عِظٰمًا فَکَسَوْنَا الْعِظٰمَ لَحْمًا ق ثُمَّ اَنْشَئْنٰہُ خَلْقًا اٰخَرَ فَتَبٰرَکَ اللّٰہُ اَحْسَنُ الْخَالِقِیْنِ ۝ رَبِّ هَبْ لِیْ مِنَ الصَّالِحِیْنِ ۝ رَبِّ لَا تَذَرْنِیْ فَرْدًا وَّ اَنْتَ خَیْرُ الْوَارِثِیْن ۝ رَبِّ هَبْ لِیْ مِنْ لَدُنْکَ ذُرِّیَۃً طَیِّبَۃً ط اِنَّکَ سَمِیْعُ الدُّعَاءِ ط یَهَبُ لِمَنْ یَّشَآءُ اِنٰثًا وَّیَهَبُ لِمَنْ یَّشَآءُ الذُّکُوْرَا ط اِلٰهِی بِحُرْمَتِ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ

عَلَیْہِ وَسَلَّمْ وَ اَھْلِ بَیْتِ الْعِظَّام.

بِسْمِ اللّٰہِ الْرَ حْمٰنِ الْرَ حِیْمO

یَا مُصَوِّرُیَا مُصَوِّرُیَا مُصَوِّرُوَ لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ سُلٰلَۃٍمِّنْ طِیْنٍ Oثُمَّ جَعَلْنٰہُ نُطْفَۃً فِیْ قَرَارِمَکِیْنٍ Oثُمَّ خَلَقْنَا النُّطْفَۃَعَلَقَۃًفَخَلَقْنَا الْعَلَقَۃَمُضْغَۃً فَخَلَقْنَا الْمُضْغَۃَعِظٰماًفَکَسَوْنَاعِظٰمَ لَحماً ق ثُمَّ اَنْشَئْنٰہُ خَلْقاً اٰخَرفَتَبٰرَکَ اللّٰہُ اَحْسَنُ الْخَالِقِیْن Oرَبِّ ھَبْ لِیْ مِنَ الصَّالِحِیْن Oرَبِّ لَا تَذَرْنِیْ فَرْدًاوَّ اَنْتَ خَیْرُالْوَارِثِیْن Oرَبِّ ھَبْ لِیْ مِنْ لَدُنْکَ ذُرِّیَۃً طَیِّبَۃً ط اِنَّکَ سَمِیْعُ الدُّعَاءِ ط یَھَبُ لِمَنْ یَّشَآءُ اِنٰثًاوَّیَھَبُ لِمَنْ یَّشَآءُ الذُّکُوْرًا ط اِلٰھِی بَحُرْمَتِ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمْ وَ اَھْلِ بَیْتِ الْعِظَّام.

حضرت مولانا محمد اشرف سلیمانی پشاوری رحمۃ اللہ علیہ کی تعلیمات کی روشنی میں تربیتی ترتیب کو تین درجوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔

درجہ اوّل: تعلیم الاسلام (مفتی کفایت اللہ صاحبؒ) کا چار پانچ مرتبہ مطالعہ تاکہ مسائل ذہن نشین ہو جائیں، جہاں سمجھ نہ آئے خود فیصلہ کرنے کی بجائے علماء سے پوچھنا، استعداد اچھی ہو تو اپنے گھر یا مسجد میں چند ساتھیوں کے ساتھ مل کر اس کو سبقاً سبقاً پڑھنا۔

اُم الامراض، اکابر کا سلوک واحسان، فیضِ شیخ (حضرت مولانا زکریاؒ)

تسہیلِ قصد السبیل، تسہیل المواعظ، اصلاحی نصاب (دس رسالوں کا مجموعہ از حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ)

درجہ دوم: بہشتی زیور، ملفوظاتِ حکیم الامت (مولانا اشرف علی تھانویؒ)، اُسوۂ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم (حضرت ڈاکٹر عبدالحئی صاحبؒ)، آپ بیتی (حضرت مولانا زکریاؒ)، تذکرۃ الاولیاء (شیخ فریدالدین عطارؒ) اور کیمیائے سعادت (امام غزالیؒ)

درجہ سوم: سلوکِ سلیمانی (حضرت مولانا محمد اشرف سلیمانیؒ) تربیت السالک، التکشف، بوادر نوادر، انفاس عیسیٰ، بصائر حکیم الامت (حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ)، احیاء العلوم (امام غزالیؒ)

جھری ذِکر کی احتیاط اور طریقہ

سارے تصوف کے سلاسل کی طرح ہمارے سلسلہ میں بھی ذِکر کو قلب کی اصلاح میں بطور بنیادی ذریعہ شامل کیا گیا ہے۔ سلسلہ کی ترتیب میں چشتیہ صابریہ جہری طریقہ ذِکر، ضرب کے ساتھ اختیار کیا گیا ہے۔ پہلے درجہ میں صرف سو بار **لا الہ الا اللّٰہ**، سو بار **الا اللّٰہ** اور سو بار **اللّٰہ** کا ذِکر کیا جاتا ہے۔ دوسرے اور تیسرے درجہ میں **لا الہ الا اللّٰہ** دو سو بار، **الا اللّٰہ** چار سو بار **اَللّٰہُ اللّٰہ** چھ سو بار، **اللّٰہ** سو بار کی اجازت دی جاتی ہے۔

کتابوں کا مطالعہ تو ہر کوئی کر سکتا ہے جبکہ جہری ذِکر کی ترتیب کے لیے بیعت، مشورہ اور اس کے طریقہ کو بالمشافہ (آمنے سامنے) سیکھنا ضروری ہے، خود سے کرنے میں ذہنی وجسمانی نقصان کا خطرہ ہو سکتا ہے۔

ایک ناقابلِ انکار حقیقت

انسان خدا تعالیٰ کا انکار کرسکتا ہے، رسول کا انکار کرسکتا ہے آخرت کا انکار کرسکتا ہے لیکن ایک ایسی حقیقت جس کا انکار نہیں کرسکتا وہ موت ہے۔

؎ جان جانی ہے جا کر رہے گی موت آنی ہے آ کر رہے گی

كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ ط وَ اِنَّمَا تُوَفَّوْنَ اُجُوْرَكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ط فَمَنْ زُحْزِحَ عَنِ النَّارِ وَاُدْخِلَ الْجَنَّةَ فَقَدْ فَازَ

ترجمہ: ہر جی کو چکھنی ہے موت اور تم کو قیامت کے دن پورے بدلے ملیں گے۔ پھر جو کوئی دور کیا گیا دوزخ سے اور داخل کیا گیا جنت میں اُس کا کام تو بن گیا۔

؎ پھول بننے کی خوشی میں مسکرائی تھی کلی کیا خبر تھی یہ تغیر موت کا پیغام ہے

اَلْمَوْتُ قَدَحٌ كُلُّ نَفْسٍ شَارِبُوْهَا وَالْقَبْرُ بَابٌ كُلُّ نَفْسٍ دَاخِلُوْهَا

ترجمہ: موت ایک پیالہ ہے جسے ہر نفس نے پینا ہے اور قبر ایک دروازہ ہے جس سے ہر نفس نے داخل ہونا ہے۔

حضرت مولانا محمد اشرف صاحبؒ فرمایا کرتے تھے کہ اُن کے شیخ حضرت شاہ عبدالعزیز دعا جو دہلوی رحمت اللہ علیہ تہجد سے پہلے یہ شعر پڑھا کرتے تھے۔

شب تاریک، رہ باریک، منزل دور، من تنہا دستم گیر یا اللہ!، دستم گیر یا اللہ!

رات اندھیری، راہ ہے ٹیڑھی، منزل دور اور ہم تنہا پکڑیو ہاتھ یا اللہ!، پکڑیو ہاتھ یا اللہ!

بہرحال جن کی آخرت آباد ہے اُن کے لئے تو بشارت ہے:

اَلْمَوْتُ جِسْرٌ يُّوْصِلُ الْحَبِيْبَ اِلَى الْحَبِيْبِ

ترجمہ: موت ایک پُل ہے جو دوست کو دوست سے ملا دیتا ہے۔

حضرت شاہ صاحبؒ ہی شعر پڑھا کرتے تھے:

؎ بلا سے نزع میں تکلیف کیا ہے سکونِ خاطر بھی کم نہیں ہے
کسی سے ملنے کی ہیں اُمیدیں کسی سے چھٹنے کا غم نہیں ہے

یہ عالم عیش و عشرت کا یہ حالت کیف و مستی کی
بلند اپنا تخیل کر یہ سب باتیں ہیں پستی کی
جہاں دراصل ویرانہ ہے گوصورت ہے بستی کی
بس اتنی سی حقیقت ہے 'فریبِ خوابِ ہستی' کی
کہ آنکھیں بند ہوں اور آدمی افسانہ ہو جائے

ادارۂ اشرفیہ عزیزیہ کی تربیتی سرگرمیاں

اِدارۂ اشرفیہ عزیزیہ، جو بندہ کے شیخ حضرت مولانا محمد اشرف صاحب سلیمانی پشاوریؒ اور حضرت مولانا محمد اشرف صاحبؒ کے شیخ شاہ عبدالعزیز دعا جو دہلویؒ کی یاد میں قائم ہوا ہے، سالانہ مندرجہ ذیل اصلاحی سرگرمیوں میں مصروف رہتا ہے۔

۱۔ درسِ قرآن: ہفتہ میں چھ دن بعد نمازعشاء، مدینہ مسجد، پشاور یونیورسٹی۔

۲۔ مجلسِ ملفوظات: ہفتہ میں سات دن بوقتِ اشراق، مسجدِ فردوس، پشاور یونیورسٹی۔

۳۔ مجلسِ ذکر: بروزِ اتوار مغرب تا عشاء، مدینہ مسجد، پشاور یونیورسٹی۔

۴۔ مجلسِ ذکر: بروزِ پیر مغرب تا عشاء، مسجدِ نُور، فیز تھری، حیات آباد، پشاور۔

۵۔ مجلسِ ذکر: بروزِ منگل مغرب تا عشاء، مسجدِ فردوس، پشاور یونیورسٹی۔

۶۔ عورتوں کی مجلس: بروزِ ہفتہ عصر تا مغرب، حضرت مولانا اشرف صاحبؒ کے گھر، دھوبی گھاٹ، پشاور یونیورسٹی۔

۷۔ جمعہ کا خطبہ: مدینہ مسجد، پشاور یونیورسٹی۔

۸۔ ماہوار اجتماع: اس کے لئے تاریخ مقرر کی جاتی ہے۔ اجتماع بروزِ ہفتہ مغرب سے شروع ہو کر بوقت چاشت اتوار کو ختم ہوتا ہے۔ مہمانوں کے قیام و طعام کا بندوبست ادارہ کی طرف سے ہوتا ہے۔

۹۔ رمضان: پہلے بیس دن ہر روز مغرب سے پہلے مدینہ مسجد، پشاور یونیورسٹی میں مجلسِ ذکر ہوتی ہے۔ مہمانوں کا افطار ادارہ کی طرف سے ہوتا ہے۔ آخری عشرہ میں تربیتی اعتکاف ہوتا ہے جس میں کثیر تعداد شرکت فرماتی ہے۔

۱۰۔ موسمِ گرما کا اجتماع: موسمِ گرما میں شمالی علاقہ جات میں کسی ٹھنڈے مقام پر سالانہ

اجتماع منعقد کیا جاتا ہے۔

(ڈاکٹر فدا محمد مد ظلہٗ)

☆☆☆☆☆☆☆

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○

يَا مُصَوِّرُ يَا مُصَوِّرُ يَا مُصَوِّرُ وَ لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ سُلٰلَةٍ مِّنْ طِيْنٍ ○ ثُمَّ جَعَلْنٰهُ نُطْفَةً فِیْ قَرَارٍ مَّكِیْنٍ ○ ثُمَّ خَلَقْنَا النُّطْفَةَ عَلَقَةً فَخَلَقْنَا الْعَلَقَةَ مُضْغَةً فَخَلَقْنَا الْمُضْغَةَ عِظٰمًا فَكَسَوْنَا الْعِظٰمَ لَحْمًا ق ثُمَّ اَنْشَاْنٰهُ خَلْقًا اٰخَرَ فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخَالِقِيْنَ ○ رَبِّ هَبْ لِیْ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ ○ رَبِّ لَا تَذَرْنِیْ فَرْدًا وَّ اَنْتَ خَيْرُ الْوَارِثِيْنَ ○ رَبِّ هَبْ لِیْ مِنْ لَّدُنْكَ ذُرِّيَّةً طَيِّبَةً ط اِنَّكَ سَمِيْعُ الدُّعَاءِ ط يَهَبُ لِمَنْ يَّشَآءُ اِنَاثًا وَّيَهَبُ لِمَنْ يَّشَآءُ الذُّكُوْرَا ط اِلٰهِی بِحُرْمَتِ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمْ وَ اَهْلِ بَيْتِ الْعِظَّام۔

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○

يَا مُصَوِّرُ يَا مُصَوِّرُ يَا مُصَوِّرُ وَ لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ سُلٰلَةٍ مِّنْ طِيْنٍ ○ ثُمَّ جَعَلْنٰهُ نُطْفَةً فِیْ قَرَارٍ مَّكِیْنٍ ○ ثُمَّ خَلَقْنَا النُّطْفَةَ عَلَقَةً فَخَلَقْنَا الْعَلَقَةَ مُضْغَةً فَخَلَقْنَا الْمُضْغَةَ عِظٰمًا فَكَسَوْنَا الْعِظٰمَ لَحْمًا ق ثُمَّ اَنْشَاْنٰهُ خَلْقًا اٰخَرَ فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخَالِقِيْنَ ○ رَبِّ هَبْ لِیْ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ ○ رَبِّ لَا تَذَرْنِیْ فَرْدًا وَّ اَنْتَ خَيْرُ الْوَارِثِيْنَ ○ رَبِّ هَبْ لِیْ مِنْ لَّدُنْكَ ذُرِّيَّةً طَيِّبَةً ط اِنَّكَ سَمِيْعُ الدُّعَاءِ ط يَهَبُ لِمَنْ يَّشَآءُ اِنَاثًا وَّيَهَبُ لِمَنْ يَّشَآءُ الذُّكُوْرَا ط اِلٰهِی بِحُرْمَتِ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمْ وَ اَهْلِ بَيْتِ الْعِظَّام۔

ادارۂ اشرفیہ عزیزیہ کی تربیتی ترتیب

حضرت مولانا محمد اشرف سلیمانی پشاوری رحمۃ اللہ علیہ کی تعلیمات کی روشنی میں تربیتی ترتیب کو تین درجوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔

درجہ اوّل: تعلیم الاسلام (مفتی کفایت اللہ صاحبؒ) کا چار پانچ مرتبہ مطالعہ تاکہ مسائل ذہن نشین ہو جائیں، جہاں سمجھ نہ آئے خود فیصلہ کرنے کی بجائے علماء سے پوچھنا، استعداد اچھی ہو تو اپنے گھر یا مسجد میں چند ساتھیوں کے ساتھ مل کر اس کو سبقاً سبقاً پڑھنا۔

اُم الامراض، اکابر کا سلوک و احسان، فیضِ شیخ (حضرت مولانا زکریاؒ)

تسہیلِ قصد السبیل، تسہیل المواعظ، اصلاحی نصاب (دس رسالوں کا مجموعہ از حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ)

درجہ دوم: بہشتی زیور، ملفوظاتِ حکیم الامت (مولانا اشرف علی تھانویؒ)، اُسوۂ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم (حضرت ڈاکٹر عبدالحیٔ صاحبؒ)، آپ بیتی (حضرت مولانا زکریاؒ)، تذکرۃ الاولیاء (شیخ فریدالدین عطارؒ) اور کیمیائے سعادت (امام غزالیؒ)

درجہ سوم: سلوکِ سلیمانی (حضرت مولانا محمد اشرف سلیمانیؒ) تربیت السالک، التکشف، بوادر نوادر، انفاس عیسیٰ، بصائر حکیم الامت (حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ)، احیاء العلوم (امام غزالیؒ)

جھری ذِکر کی احتیاط اور طریقہ

سارے تصوف کے سلاسل کی طرح ہمارے سلسلہ میں بھی ذِکر کو قلب کی اصلاح میں بطور بنیادی ذریعہ شامل کیا گیا ہے۔ سلسلہ کی ترتیب میں چشتیہ صابریہ جہری طریقہ ذِکر، ضرب کے ساتھ اختیار کیا گیا ہے۔ پہلے درجہ میں صرف سو بار **لا الہ الا اللہ**، سو بار **الا اللہ** اور سو بار **اللہ** کا ذِکر کیا جاتا ہے۔ دوسرے اور تیسرے درجہ میں **لا الہ الا اللہ** دو سو بار، **الا اللہ** چار سو بار **اللّٰہُ اللہ** چھ سو بار، **اللہ** سو بار کی اجازت دی جاتی ہے۔

کتابوں کا مطالعہ تو ہر کوئی کر سکتا ہے جبکہ جہری ذِکر کی ترتیب کے لیے بیعت، مشورہ اور اس کے طریقہ کو بالمشافہ (آمنے سامنے) سیکھنا ضروری ہے، خود سے کرنے میں ذہنی و جسمانی نقصان کا خطرہ ہو سکتا ہے۔

ایک ناقابلِ انکار حقیقت

انسان خدا تعالیٰ کا انکار کرسکتا ہے، رسول کا انکار کرسکتا ہے آخرت کا انکار کرسکتا ہے لیکن ایک ایسی حقیقت جس کا انکار نہیں کرسکتا وہ موت ہے۔

؎ جان جانی ہے جا کر رہے گی موت آنی ہے آ کر رہے گی

كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ ؕ وَ اِنَّمَا تُوَفَّوْنَ اُجُوْرَكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ فَمَنْ زُحْزِحَ عَنِ النَّارِ وَاُدْخِلَ الْجَنَّةَ فَقَدْ فَازَ

ترجمہ: ہر جی کو چکھنی ہے موت اور تم کو قیامت کے دن پورے بدلے ملیں گے۔ پھر جو کوئی دور کیا گیا دوزخ سے اور داخل کیا گیا جنت میں اُس کا کام تو بن گیا۔

؎ پھول بننے کی خوشی میں مسکرائی تھی کلی کیا خبر تھی یہ تغیر موت کا پیغام ہے

اَلْمَوْتُ قَدَحٌ كُلُّ نَفْسٌ شَارِبُوْهَا وَالْقَبْرُبَابٌ كُلُّ نَفْس ٌدَاخِلُوْهَا

ترجمہ: موت ایک پیالہ ہے جسے ہر نفس نے پینا ہے اور قبر ایک دروازہ ہے جس سے ہر نفس نے داخل ہونا ہے۔

حضرت مولانا محمد اشرف صاحبؒ فرمایا کرتے تھے کہ اُن کے شیخ حضرت شاہ عبدالعزیز دعا جو دہلوی رحمت اللہ علیہ تہجد سے پہلے یہ شعر پڑھا کرتے تھے۔

شب تاریک، رہ باریک، منزل دور، من تنہا دستم گیر یا اللہ!، دستم گیر یا اللہ!

رات اندھیری، راہ ہے ٹیڑھی، منزل دور اور ہم تنہا پکڑیو ہاتھ یا اللہ!، پکڑیو ہاتھ یا اللہ!

بہرحال جن کی آخرت آباد ہے اُن کے لئے تو بشارت ہے:

اَلْمَوْتُ جِسْرٌ يُّوْصِلُ الْحَبِيْبَ اِلَى الْحَبِيْب

ترجمہ: موت ایک پُل ہے جو دوست کو دوست سے ملا دیتا ہے۔

حضرت شاہ صاحبؒ یہ شعر پڑھا کرتے تھے:

بلا سے نزع میں تکلیف کیا ہے سکونِ خاطر بھی کم نہیں ہے
کسی سے ملنے کی ہیں اُمیدیں کسی سے چھٹنے کا غم نہیں ہے

یہ عالم عیش و عشرت کا یہ حالت کیف و مستی کی بلند اپنا تخیل کر یہ سب باتیں ہیں پستی کی
جہاں دراصل ویرانہ ہے گو صورت ہے بستی کی بس اتنی سی حقیقت ہے 'فریبِ خوابِ ہستی' کی
کہ آنکھیں بند ہوں اور آدمی افسانہ ہو جائے

ادارۂ اشرفیہ عزیزیہ کی تربیتی سرگرمیاں

اِدارۂ اشرفیہ عزیزیہ، جو بندہ کے شیخ حضرت مولانا محمد اشرف صاحب سلیمانی پشاوریؒ اور حضرت مولانا محمد اشرف صاحبؒ کے شیخ شاہ عبدالعزیز دعا جو دہلویؒ کی یاد میں قائم ہوا ہے، سالانہ مندرجہ ذیل اصلاحی سرگرمیوں میں مصروف رہتا ہے۔

۱۔ درسِ قرآن: ہفتہ میں چھ دن بعد نمازِ عشاء، مدینہ مسجد، پشاور یونیورسٹی۔

۲۔ مجلسِ ملفوظات: ہفتہ میں سات دن بوقتِ اشراق، مسجدِ فردوس، پشاور یونیورسٹی۔

۳۔ مجلسِ ذکر: بروزِ اتوار مغرب تا عشاء، مدینہ مسجد، پشاور یونیورسٹی۔

۴۔ مجلسِ ذکر: بروزِ پیر مغرب تا عشاء، مسجدِ نُور، فیز تھری، حیات آباد، پشاور۔

۵۔ مجلسِ ذکر: بروزِ منگل مغرب تا عشاء، مسجدِ فردوس، پشاور یونیورسٹی۔

۶۔ عورتوں کی مجلس: بروزِ ہفتہ عصر تا مغرب، حضرت مولانا اشرف صاحبؒ کے گھر، دھوبی گھاٹ، پشاور یونیورسٹی۔

۷۔ جمعہ کا خطبہ: مدینہ مسجد، پشاور یونیورسٹی۔

۸۔ ماہوار اجتماع: اس کے لئے تاریخ مقرر کی جاتی ہے۔ اجتماع بروزِ ہفتہ مغرب سے شروع ہو کر بوقت چاشت اتوار کو ختم ہوتا ہے۔ مہمانوں کے قیام و طعام کا بندوبست ادارہ کی طرف سے ہوتا ہے۔

۹۔ رمضان: پہلے بیس دن ہر روز مغرب سے پہلے مدینہ مسجد، پشاور یونیورسٹی میں مجلسِ ذکر ہوتی ہے۔ مہمانوں کا افطار ادارہ کی طرف سے ہوتا ہے۔ آخری عشرہ میں تربیتی اعتکاف ہوتا ہے جس میں کثیر تعداد شرکت فرماتی ہے۔

۱۰۔موسمِ گرما کا اجتماع: موسمِ گرما میں شمالی علاقہ جات میں کسی ٹھنڈے مقام پر سالانہ

اجتماع منعقد کیا جاتا ہے۔

(ڈاکٹر فدا محمد مد ظلہٗ)

☆☆☆☆☆☆☆